ماہنامہ

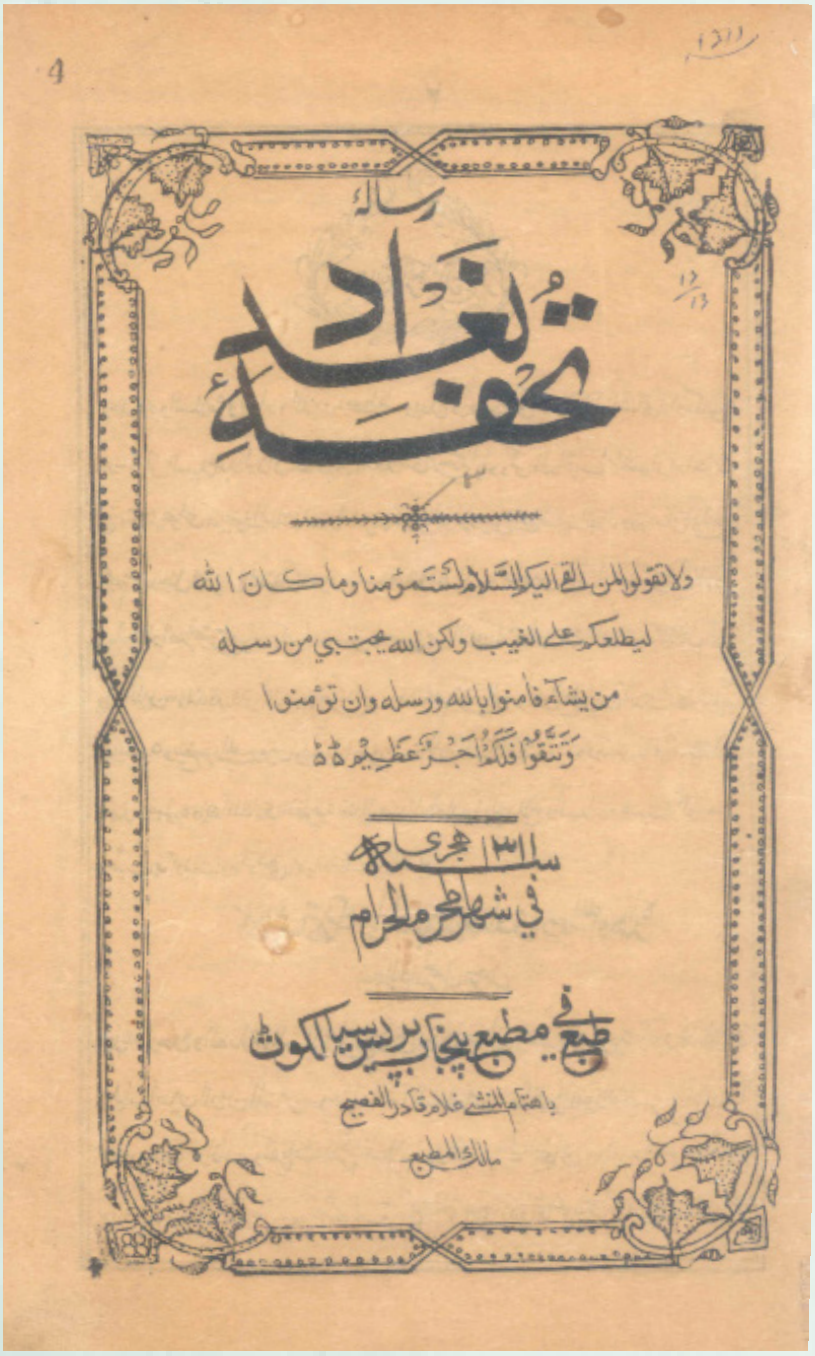
موازنۂ مذاہب

ISSN: 20491131

ایڈیٹر: محفوظ الرحمان

نومبر 2026ء | نبوت 1405 ہجری شمسی | جمادَی الاولٰی/جمادَی الثانیہ 1448 ہجری قمری | جلد 15 نمبر 11

https://www.alislam.org/periodical/muwazna-e-madhahib


رسالہ

تحفۂ بغداد

ولا تقولوا لمن القی الیکم السلام لست مؤمنا وما کان اللہ
لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ
من یشآء فامنوا باللہ ورسلہ وان تؤمنوا
وتتقوا فلکم اجر عظیم ۵

سنہ ۱۳۱۱ ہجری
فی شہر محرم الحرام

طبع فی مطبع پنجاب پریس سیالکوٹ
باہتمام المنشی غلام قادر الفصیح
مالک المطبع

ٹائٹل طبع اول ”تحفہ بغداد“

تفصیلی تعارف کے لئے دیکھیں صفحہ 12 رسالہ ہٰذا

ماہنامہ

موازنۂ مذاہب

نومبر 2026ء | نبوت 1405 ہجری شمسی
جمادی الاولیٰ/جمادی الثانیہ 1448 ہجری قمری
جلد 15 نمبر 11

ISSN: 20491131

ایڈیٹر: محفوظ الرحمان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

2 اداریہ: ”ساتویں شرط بیعت“

4 ارشادِ باری تعالیٰ: اللہ اپنی ذات میں اکیلا ہے

5 ارشاد نبوی ﷺ: واحد لاشریک خدا

6 اِمامُ الکلام علیہ الصلوٰۃ والسلام: خدا ہر قسم کی شرکت سے پاک اور منزہ ہے

8 کَلَامُ الْاِمَام: توحید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے بغیر ظاہر نہیں ہو سکتی

12 تعارف کتب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام
”تحفۂ بغداد“ (اے۔ولیم)

16 مستشرقین و دیگر کے اعتراضات اور ان کے جوابات
(ع-س-اختر)

20 سیرت النبی ﷺ
آنحضرتؐ کی بے مثال مذہبی آزادی اور مذہبی رواداری (ابو شاذب)

53 سیرت النبی ﷺ: کتاب کا تعارف۔
اللؤلوء المکنون فی سیرۃ النبی المأمون (ابو اشعر)

66 قرآن مجید کے حسن و جمال کا تذکرہ روحانی خزائن میں (قسط دہم)
(سید میر محمود احمد ناصر صاحب۔ مرحوم)

81 سیرت حضرت مسیح موعودؑ: حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت و سوانح پر 79 کے قریب لکھی جانے والی کتب کا تعارف (قسط ششم) (اے۔ولیم)

105 اسلام کا پیش کردہ تصورِ خدا: بانیٔ جماعت احمدیہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات کی روشنی میں ”معجزات کی حقیقت اور فلاسفی“ (ابن داؤد)



اداریہ

ساتویں شرط بیعت

”یہ کہ تکبر اور نخوت کو بکلی چھوڑ دے گا اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا۔“ (ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 564)

حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو اللہ کی خاطر ایک درجہ تواضع اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند فرمائے گا اور جو اللہ پر ایک درجہ تکبر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ گرائے گا یہاں تک کہ اسے اَسْفَلُ السَّافِلِیْن میں کر دے گا۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الزھد باب البراءۃ من الکبر والتواضع حدیث 4176)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”کوئی شخص محبت الٰہی اور رضائے الٰہی کو حاصل نہیں کر سکتا جب تک دو صفتیں اس میں پیدا نہ ہو جائیں اول تکبر کو توڑنا جس طرح کہ کھڑا ہوا پہاڑ جس نے سر اونچا کیا ہوا ہوتا ہے گر کر زمین سے ہموار ہو جائے **اسی طرح انسان کو چاہیے کہ تمام تکبر اور بڑائی کے خیالات کو دور کرے عاجزی اور خاکساری کو اختیار کرے** اور دوسرا یہ ہے کہ پہلے تمام تعلقات اس کے ٹوٹ جائیں جیسا کہ پہاڑ گر کر مُتَصَدِّعًا ہو جاتا ہے۔ اینٹ سے اینٹ جدا ہو جاتی ہے ایسا ہی اس کے پہلے تعلقات جو موجبِ گندگی اور الٰہی ناراضامندی کے تھے وہ سب تعلقات ٹوٹ جائیں اور اب اس کی ملاقاتیں اور دوستیاں اور محبتیں اور عداوتیں صرف اللہ تعالیٰ کے لئے رہ جائیں۔“

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 171 ایڈیشن 2022ء)

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بیان فرماتے ہیں:

”پھر یہ عہد ہے تکبّر اور نخوت کو مکمل طور پر چھوڑ دیں گے۔

(ماخوذ از ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 564)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ”مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ قیامت کے دن شرک کے بعد

تکبر جیسی اور کوئی بلا نہیں۔ یہ ایک ایسی بلا ہے جو دونوں جہان میں انسان کو رُسوا کرتی ہے“

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 598)

پس بڑے خوف کا مقام ہے۔ پھر فرمایا: ”**مَیں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ تکبر سے بچو** کیونکہ تکبر ہمارے خداوند ذوالجلال کی آنکھوں میں سخت مکروہ ہے“ (نزول المسیح، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 402)

پھر یہ عہد لیا گیا ہے کہ فروتنی اور عاجزی اختیار کروں گا۔

(ماخوذ از ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 564)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر عاجزی اور انکساری اختیار کی اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ رفع کرے گا، اس کو بلند کر دے گا اور یہاں تک کہ اس کو علّیین میں جگہ دے گا۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 4 صفحہ 191 مسند ابی سعید الخدریؓ حدیث نمبر 11747 مطبوعہ بیروت 1998ء)

عاجزی انکساری اختیار کرنے سے ایک درجہ بلند ہوتا جائے گا۔ اگر یہ مسلسل رہے تو یہاں تک بلند ہوتا جائے گا کہ جنّتوں کے جو اعلیٰ ترین معیار ہیں ان میں جگہ دے دے گا۔

پھر یہ عہد ہے کہ ہم ہمیشہ خوش خُلقی اپنا شیوہ بنائیں گے۔

(ماخوذ از ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 564)

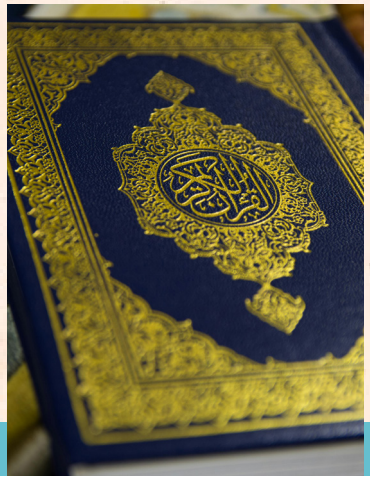
اس کو بھی ہر ایک کو سامنے رکھنا چاہئے۔

پھر یہ عہد ہے کہ حلیمی اور مسکینی سے اپنی زندگی بسر کریں گے۔

(ماخوذ از ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 564)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ”اگر اللہ تعالیٰ کو تلاش کرنا ہے تو مسکینوں کے دل کے پاس تلاش کرو“۔ (ملفوظات جلد 6 صفحہ 54 ایڈیشن 1984ء مطبوعہ انگلستان)

(خطبہ جمعہ بیان فرمودہ مورخہ 2 جنوری 2015ء، خطبات مسرور جلد 13 صفحہ 12، 13)



ارشاد باری تعالیٰ

اللہ اپنی ذات میں اکیلا ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۚ﴿۲﴾ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۚ﴿۳﴾ لَمۡ یَلِدۡ ۬ۙ وَ لَمۡ یُوۡلَدۡ ۙ﴿۴﴾ وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۔

(الاخلاص:2تا5)

ترجمہ از تفسیر صغیر: (ہم ہر زمانہ کے مسلمان کو حکم دیتے ہیں کہ) تو (دوسرے لوگوں سے) کہتا چلا جا کہ (اصل) بات یہ ہے کہ اللہ اپنی ذات میں اکیلا ہے۔ اللہ وہ (ہستی) ہے جس کے سب محتاج ہیں (اور وہ کسی کا محتاج نہیں) نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ وہ جنا گیا ہے۔ اور (اس کی صفات میں) اس کا کوئی بھی شریک کار نہیں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”توریت میں خدا تعالیٰ کی صفات کا ملہ کا کہیں پورے طور پر ذکر نہیں۔ اگر توریت میں کوئی ایسی سورت ہوتی جیسا کہ قرآن شریف میں قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۚ﴿۲﴾ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۚ﴿۳﴾ لَمۡ یَلِدۡ ۬ۙ وَ لَمۡ یُوۡلَدۡ ۙ﴿۴﴾ وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ہے تو شاید عیسائی اس مخلوق پرستی کی بلا سے رک جاتے۔“

(کتاب البریہ، روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 84)

آپؑ ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

”ان کو کہہ دے کہ وہ سچا خدا ایک خدا ہے جو کسی کا باپ نہیں اور نہ کسی کا بیٹا اور نہ اس کا کوئی ہم جنس ہے۔“ (تریاق القلوب، روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 355 حاشیہ)



ارشاد نبوی ﷺ

واحد لاشریک خدا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "قَالَ اللهُ: كَذَّبَنِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ، وَشَتَمَنِي وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ، أَمَّا تَكْذِيبُهُ إِيَّايَ أَنْ يَقُولَ: إِنِّي لَنْ أُعِيدَهُ كَمَا بَدَأْتُهُ، وَأَمَّا شَتْمُهُ إِيَّايَ أَنْ يَقُولَ: اتَّخَذَ اللهُ وَلَدًا، وَأَنَا الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ أَلِدْ وَلَمْ أُولَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لِي كُفُوًا أَحَدٌ (لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ)

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر باب قولہ اللہ الصمد حدیث:4975)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:) ابن آدم نے مجھے جھٹلایا اور اس کو یہ نہیں چاہیئے تھا اور اس نے مجھے گالی دی اور اسے یہ نہیں چاہیئے تھا اور جو اس کا مجھے جھٹلانا ہے تو اس کا یہ کہنا ہے کہ میں اس کو ہر گز دوبارہ پیدا نہیں کروں گا جس طرح کہ پہلے پیدا کیا اور جو اس کا مجھے گالی دینا ہے تو اس کا یہ کہنا ہے کہ اللہ نے ایک بیٹا بنالیا۔ حالانکہ میں بے نیاز (بادشاہ) ہوں کہ میں نے نہ جنا اور نہ جنا گیا اور نہ ہی کوئی میرا ہمسر ہے یعنی نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ وہ جنا گیا ہے۔ اور (اس کی صفات میں) اس کا کوئی بھی شریکِ کار نہیں۔“

(صحیح بخاری مترجم جلد 12 صفحہ 498، 497 شائع کردہ اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لمیٹڈ)



اِمَامُ الْکَلَام علیہ الصلوٰۃ والسلام

خدا ہر قسم کی شرکت سے پاک اور منزہ ہے

حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بانیٔ جماعت احمدیہ مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ ۙ وَ لَمْ يُوْلَدْ ۙ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔

(الاخلاص:2تا5)

”اس اقل عبارت کو جو بقدر ایک سطر بھی نہیں، دیکھنا چاہیے کہ کس لطافت اور عمدگی سے ہر یک قسم کی شراکت سے وجود حضرت باری کا منزہ ہونا بیان فرمایا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ شرکت از روئے حصر عقلی چار قسم پر ہے۔ کبھی شرکت عدد میں ہوتی ہے اور کبھی مرتبہ میں اور کبھی نسب میں اور کبھی فعل اور تاثیر میں۔ سو اس سورۃ میں ان چاروں قسموں کی شرکت سے خدا کا پاک ہونا بیان فرمایا اور کھول کر بتلا دیا کہ وہ اپنے عدد میں ایک ہے دو یا تین نہیں اور وہ صمد ہے یعنی اپنے مرتبہ وجوب اور محتاج الیہ ہونے میں منفرد اور یگانہ ہے اور بجز اس کے تمام چیزیں ممکن الوجود اور ہالک الذّات ہیں جو اس کی طرف ہر دم محتاج ہیں اور وہ لَمْ يَلِدْ ہے یعنی اس کا کوئی بیٹا نہیں تا بوجہ بیٹا ہونے کے اس کا شریک ٹھہر جائے اور وہ لَمْ يُوْلَدْ ہے یعنی اس کا کوئی باپ نہیں تا بوجہ باپ ہونے کے اس کا شریک بن جائے اور وہ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا ہے یعنی اس کے کاموں میں کوئی اس سے برابری کرنے والا نہیں تا باعتبار فعل کے اس کا شریک قرار پاوے۔ سو اس طور سے ظاہر فرما دیا کہ خدائے تعالیٰ چاروں قسم کی شرکت سے پاک اور منزہ ہے اور وحدہ لاشریک ہے۔“

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 518 حاشیہ)

آپؑ مزید فرماتے ہیں:

”قرآن میں ہمارا خدا اپنی خوبیوں کے بارے میں فرماتا ہے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ ۙ وَ لَمْ يُوْلَدْ ۙ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ یعنی تمہارا خدا وہ خدا ہے جو اپنی ذات اور صفات میں واحد ہے۔ نہ کوئی ذات اس کی ذات جیسی ازلی اور ابدی یعنی انادی اور اکال ہے نہ کسی چیز کے صفات اس کی صفات کے

مانند ہیں۔ انسان کا علم کسی معلم کا محتاج ہے اور پھر محدود ہے مگر اس کا علم کسی معلم کا محتاج نہیں اور بایں ہمہ غیر محدود ہے انسان کی شنوائی ہوا کی محتاج ہے اور محدود ہے مگر خدا کی شنوائی ذاتی طاقت سے ہے اور محدود نہیں۔ اور انسان کی بینائی سورج یا کسی دوسری روشنی کی محتاج ہے اور پھر محدود ہے مگر خدا کی بینائی ذاتی روشنی سے ہے اور غیر محدود ہے۔ ایسا ہی انسان کی پیدا کرنے کی قدرت کسی مادہ کی محتاج ہے اور نیز وقت کی محتاج اور پھر محدود ہے لیکن خدا کی پیدا کرنے کی قدرت نہ کسی مادہ کی محتاج ہے نہ کسی وقت کی محتاج اور غیر محدود ہے کیونکہ اس کی تمام صفات بے مثل و مانند ہیں اور جیسے کہ اس کی کوئی مثل نہیں اس کی صفات کی بھی کوئی مثل نہیں۔ اگر ایک صفت میں وہ ناقص ہو تو پھر تمام صفات میں ناقص ہو گا۔ اس لئے اس کی توحید قائم نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ اپنی ذات کی طرح اپنے تمام صفات میں بے مثل و مانند نہ ہو۔ پھر اس سے آگے آیت ممدوحہ بالا کے یہ معنے ہیں کہ خدا نہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کوئی اس کا بیٹا ہے کیونکہ وہ غنی بالذات ہے۔ اس کو نہ باپ کی حاجت ہے اور نہ بیٹے کی۔ یہ توحید ہے جو قرآن شریف نے سکھلائی ہے جو مدار ایمان ہے۔"

(لیکچر لاہور، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 154، 155)



كَلَامُ الْاِمَام

توحید آنحضرتؐ کی مدد کے بغیر ظاہر نہیں ہو سکتی

امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

”تمام تعلیمیں اور تمام اعلیٰ مقاصد توحید سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ اسی طرح بندوں کے آپس کے تعلقات اور بندے کے خدا تعالیٰ سے تعلقات یہ بھی توحید کے اندر آ جاتے ہیں۔ اور توحید ایسی چیز ہے جو بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے ظاہر نہیں ہو سکتی۔ اس لئے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لگا دیا گیا ہے کہ حقیقی معبود کی تلاش یا خدا تعالیٰ کو اگر دیکھنا ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے دیکھو۔ گویا آپ ہی وہ عینک ہیں جس سے معبود حقیقی نظر آ سکتا ہے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد لی جائے تو اَلْحَمْد سے لے کر اَلنَّاس تک ہر جگہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا مضمون نظر آئے گا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک ہی ہے جن کے آنے سے دنیا میں توحید حقیقی قائم ہوئی ورنہ اس سے پہلے بعض لوگوں نے حضرت عزیر کو بعض نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا بنایا ہوا تھا۔ بعض لوگ ملائکہ کو معبود بنائے بیٹھے تھے۔ ایسے وقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ہر قسم کے فسادوں کو دور فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی توحید کے قیام کے لئے کھڑا کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہی دنیا میں پھر توحید قائم ہوئی اور یہی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا ماٹو ہے جو ہم اپنی اذانوں کے ساتھ بھی بلند کرتے ہیں۔ جب کسی شخص کو اسلام میں لایا جاتا ہے تو اس سے بھی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہلوایا جاتا ہے کیونکہ حقیقی اسلام اسی کا نام ہے۔ اگر کسی میں دینی کمزوری پیدا ہوتی ہے تو اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ اس کے سامنے سے ہٹ گیا ہوتا ہے ورنہ اگر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ہر وقت سامنے ہو تو انسان دینی کمزوریوں سے محفوظ رہے۔ (ماخوذ از خطبات محمود جلد 17 صفحہ 563 تا 565 خطبہ جمعہ فرمودہ 28 اگست 1936ء)

صرف منہ سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہنا مقصد نہیں ہے اکثر جیسے لوگ دہراتے رہتے ہیں۔ جھوٹ بھی

بولیں گے تو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہہ کر جھوٹ بول دیں گے۔ بلکہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ اگر کہا ہے تو پھر خدا تعالیٰ کی عظمت اور جبروت اور اس کا خوف اور اس کی تمام صفات سامنے آ جاتی ہیں۔ پھر جیسا کہ بیان ہو چکا ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی واضح ہوتی ہے۔ پس جب تک انسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں محو نہ ہو جائے توحید کو کامل نہیں سمجھ سکتا یا توحید کامل کو نہیں سمجھ سکتا۔ اور نہ اللہ تعالیٰ اور اس کے تفصیلی جلوہ یعنی قرآن کریم کو سمجھ سکتا ہے۔ جو لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں محو ہو کر توحید کو نہیں سمجھتے، باوجود عقل کے شرک میں مبتلا رہتے ہیں۔ غیر مسلموں کو تو ایک طرف رکھیں مسلمانوں میں بھی جو لوگ ہیں ان کی بہت بڑی اکثریت پیروں فقیروں کو اپنا خدا بنا بیٹھے ہیں۔

(ماخوذ از خطبات محمود جلد 17 صفحہ 566 خطبہ جمعہ فرمودہ 28 اگست 1936ء)

کہا تو احمدیوں کو جاتا ہے کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کر کے اسلام سے خارج ہو گئے ہیں لیکن حقیقت میں یہ لوگ ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو نہیں پہچانا اور نتیجۃً توحید سے بھی دور ہیں۔ اس زمانے میں اس توحید کا حقیقی ادراک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو حاصل ہوا ہے اور یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں محو ہونے کی وجہ سے آپ کو ملا ہے۔ جن کو دنیا کافر کہتی ہے وہی توحید کے حقیقی علمبردار ہیں۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں محو ہوئے تو آپ کو نظر آ گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ہیں اور ان کو زندہ ماننا شرک ہے۔ آپ سے پہلے لاکھوں ایسے عالم اور فقیہ تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف خدائی صفات منسوب کرتے تھے مثلاً یہ کہ وہ اب تک زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں، وہ مردے زندہ کیا کرتے تھے، ان کو غیب کا علم تھا وغیرہ وغیرہ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وجہ سے آج ہم بلکہ ہر احمدی بچہ عقلی اور نقلی دلائل سے اس عقیدے پر قائم رہنا گوارا نہیں کرتا۔ اسی طرح اور بہت سی باتیں ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں محو ہو کر، آپ سے نور لے کر ہمیں بتائیں اور شرک کو ہم سے دور کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہی اس زمانے کے لوگوں کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا جلوہ دکھایا اور یہی ایک چیز ہے جو اسلام کا لب لباب ہے اور جس کا ہر کامل موحد میں پایا جانا ضروری ہے۔ باقی تو سب تفصیلات ہیں جو مختلف آدمیوں کے لئے مختلف شکلوں میں بدلتی رہتی ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بڑی نیکی ماں باپ کی خدمت بتایا، کسی کو بڑی نیکی جہاد فی سبیل اللہ بتایا، کسی کو بڑی نیکی تہجد کی ادائیگی بتایا۔ پس ہر ایک کو اس کی بنیادی کمزوری دور کرنے

کے لئے توجہ دلائی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ باقی نیکیاں بجالانے کی ضرورت نہیں۔

(ماخوذ از خطبات محمود جلد 17 صفحہ 566، 567 خطبہ جمعہ فرمودہ 28 اگست 1936ء)

پس یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن کریم کے تمام احکام اپنی اپنی جگہ پر بہت عمدہ اور مفید ہیں لیکن لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ سب پر حاوی ہے۔ پس یہ اصل ماٹو ہے جسے ہمیں ہر وقت سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔ توحید کی حقیقت اور اس کے قیام پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ توحید صرف اس بات کا نام نہیں کہ انسان بت پرستی نہ کرے یا کسی انسان کو خدا تعالیٰ کے مقابل پر زندہ نہ مانے یا کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھہرائے بلکہ دنیا کے ہر کام میں توحید کا تعلق ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سونے کے وقت اور وضو کے وقت بھی توحید کا اقرار فرمایا کرتے تھے۔ جب بھی کسی انسان کو دنیا کے کسی کام پر بھروسہ یا انحصار ہو گیا تو وہ انسان شرک کے مقام پر جا ٹھہرا اور پھر اس کے موحد ہونے کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے کیونکہ توحید کی لازمی شرط ہے کہ انسان صرف خدا تعالیٰ کی ذات پر ہی تکیہ رکھے اور بھروسہ کرے۔ توحید کا مطلب ہی یہ ہے کہ ہر کام میں خواہ دینی ہے یا دنیاوی انسان کی نظر صرف ایک خدا کی طرف اٹھے۔ پس بے شک اپنی جگہ تمام نیک فقرات عمدہ اور اچھے ماٹو ہیں لیکن کامل موحد بننے کے لئے ضروری ہے کہ انسان کی نظر سے ہر ایک چیز غائب ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے سوا اس کے لئے ہر چیز کالعدم ہو جائے۔ پس حقیقی ماٹو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ ہے جس میں تمام نیکیاں جمع ہو جاتی ہیں۔ (ماخوذ از خطبات محمود جلد 17 صفحہ 568 تا 569 خطبہ جمعہ فرمودہ 28 اگست 1936ء)

اور توحید کو سمجھنے کے لئے جو دقتیں ہیں ان کا حل بھی ہمیں یہی بتاتا ہے۔ دقتیں دور کرنے کے لئے کوئی نمونہ ہونا چاہئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ نمونہ ہے جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک فقرے میں یوں بیان فرمایا تھا کہ کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن

(مسند احمد بن حنبل جلد 8 صفحہ 144 مسند عائشہؓ حدیث 25108 مطبوعہ عالم الکتب بیروت 1998ء)

اس ایک فقرے میں توحید کا اعلیٰ معیار بھی بیان ہو گیا۔ احکام قرآن کا عملی نمونے کا معیار بھی قائم ہو گیا اور احکامات کی تفصیل بھی سامنے آ گئی۔ پس جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھ لیا اس نے خدا تعالیٰ کو سمجھ لیا اور جس نے خدا تعالیٰ کو سمجھ لیا اس نے سب کچھ ہی سمجھ لیا کیونکہ شرک ہی تمام بدیوں، غفلتوں اور گناہوں کی جڑ ہے اور توحید پر قائم ہونے کے بعد انسان میں اعلیٰ اخلاق، علم، عرفان، تمدن، سیاست، دوسرے فنون میں کمال، سب ہی کچھ آ جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نور ایک تریاق ہے جس

میں تمام امراض کا علاج ہے۔ پس ہمارا ماٹو جو خود بخود خدا تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ہے۔ باقی تفصیلات ہیں جو نصیحت کے طور پر کام آ سکتی ہیں۔ اس زمانے میں چونکہ دجال اپنی تمام طاقت کے ساتھ دنیا میں رونما ہوا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ میں دنیا کو دین پر مقدم رکھوں گا۔ یہ دجال کا مقصد ہے کہ دنیا کو دین پر مقدم کرنا ہے۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ اس کے مقابل پر ہم دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا نعرہ لگائیں۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی شرائط بیعت میں یہ فقرہ شامل فرمایا ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ اپنے اوپر ہم دین کی تعلیم لاگو رکھیں گے اور ہر مخالف کے اعتراض کے مقابل پر اسلام کا خوبصورت چہرہ دکھائیں گے اور یہ سب اس لئے کہ ہم لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کو دنیا میں قائم کرنے والے بنیں۔ ہم نے اس زمانے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت اس مقصد کے حصول کے لئے کی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے الہاماً یہ فرمایا تھا کہ خُذُوا التَّوْحِیْدَ التَّوْحِیْدَ یَا اَبْنَاءَ الْفَارِس۔ (براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 267)

یعنی کہ اے ابنائے فارس! توحید کو مضبوطی سے پکڑو۔ ابنائے فارس سے مراد صرف آپ کا خاندان ہی نہیں ہے بلکہ تمام جماعت روحانی لحاظ سے ابنائے فارس کے ماتحت آتی ہے اور یہ حکم تمام جماعت کے لئے ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ مصیبت کے وقت انسان کسی خاص چیز کو پکڑتا ہے۔ فرمایا کہ تم مصائب کے وقت توحید کو پکڑ لیا کرو کہ اس کے اندر باقی تمام چیزیں ہیں۔ پس ہماری جماعت کا فرض ہے کہ وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کے ماٹو کو ہر وقت اپنے سامنے رکھیں۔ (ماخوذ از خطبات محمود جلد 17 صفحہ 570 تا 571 خطبہ جمعہ فرمودہ 28 اگست 1936ء)

آج جبکہ شرک کے ساتھ دہریت بھی بہت تیزی سے پھیل رہی ہے بلکہ دہریت بھی شرک کی ایک قسم ہے یا شرک دہریت کی قسم ہے۔ ہم اپنے آپ کو ایک نعرے پر محدود کر کے اور اس پر اکتفا کر کے اپنی دنیا و آخرت سنوارنے والے نہیں بن سکتے۔ نہ ہی ہم انسانیت کی خدمت کے زعم میں اپنی نمازوں اور عبادتوں کو چھوڑ سکتے ہیں۔ جو ایسا کرتا ہے یا کہتا ہے اس کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ پس ہمیں اپنے حقیقی مطمح نظر اور مقصود کو ہمیشہ سامنے رکھنے کی ضرورت ہے تا کہ ہم تمام دینی و دنیاوی انعامات کے حاصل کرنے والے بن سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی حقیقت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔“

(خطبہ جمعہ بیان فرمودہ مورخہ 9 مئی 2014ء، خطبات مسرور جلد 12 صفحہ 288 تا 291)



وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے

24۔ تحفۂ بغداد

(اے۔ولیم)

"

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"سب دوستوں کے واسطے ضروری ہے کہ ہماری کتب کم از کم ایک دفعہ ضرور پڑھ لیا کریں۔ کیونکہ علم ایک طاقت ہے اور طاقت سے شجاعت پیدا ہوتی ہے۔"

("ملفوظات" حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جلد 7 صفحہ 224 ایڈیشن 2022ء)

"

تعارف:

جولائی 1893ء (محرم 1311ھ) میں آپؑ نے عربی زبان میں ایک رسالہ تحفۂ بغداد تصنیف فرمایا۔ 33 صفحات کا یہ رسالہ روحانی خزائن جلد 7 کے صفحات 3 تا 39 پر مشتمل ہے۔

تحفۂ بغداد کی تالیف کا ذریعہ ایک شخص سید عبدالرزاق قادری بغدادی کا ایک اشتہار ہوا۔ وہ حیدرآباد دکن آیا ہوا تھا۔ اُس نے اپنا سِکّہ جمانے کے لئے حضرت کے خلاف ایک اشتہار جاری کیا اور حضرت اقدسؑ کو ایک عربی خط لکھا۔ جس میں ہر قسم کی دشنام دہی سے کام لیا۔ آئینہ کمالات اسلام میں جو مکتوب عربی زبان میں علماء ومشائخ کے نام آپؑ نے لکھا تھا۔ اُسے پڑھ کر اس نے سخت بغض وغصہ کا اظہار کیا اور ہر قسم کے وہ لفظی ہتھیار جو فتاویٰ کفر کے اسلحہ خانہ میں تیار ہوتے ہیں استعمال کئے اور آپ پر نہ صرف فتویٰ کفر دیا بلکہ واجب القتل ٹھہرایا۔

اس پر حضرت اقدسؑ نے "تحفۂ بغداد" نامی کتاب عربی زبان میں لکھی جس میں آپ نے ان الزامات سے برأت کی جو آپ پر فتویٰ کفر کے مبادی قرار دیئے گئے تھے اور اپنے دعاوی کو شرح وبسط کے ساتھ مؤکد بہ دلائل شرعیہ ونصوص قرآنیہ بیان کیا اور اسے عربی بولنے والے ممالک کے لئے ذریعۂ تبلیغ قرار دیا۔ اور نہایت

درد بھرے الفاظ میں لکھا کہ

”مولویوں کے فتویٰ تکفیر سے دھوکا نہ کھاؤ بلکہ میرے پاس آؤ اور مجھے قریب سے دیکھو تا کہ تم صادق اور کاذب کا فرق کھلے طور پر دیکھ سکو۔“(حیات احمد جلد 4 صفحہ 270 مرتبہ یعقوب علی عرفانی)

آپؑ نے کتاب کے شروع میں بغدادی صاحب کا وہ اشتہار بھی دیا ہے جس میں اس نے یہاں کے مسلمانوں کو جوش دلایا ہے کہ ایسے شخص کو قتل کیوں نہیں کیا گیا۔ اور اس نے حضورؑ کی کتاب آئینہ کمالات اسلام کا رد لکھنے کا بھی عزم ظاہر کیا ہے۔ اور اس کے بعد اس نے 28 ذوالحجہ کو جو خط حضورؑ کی خدمت میں لکھا وہ بھی شائع فرمایا ہے جس میں اس نے حضورؑ سے کتاب آئینہ کمالات اسلام تحفۃً دئے جانے کی درخواست کی ہے تا کہ اس کا رد لکھا جا سکے۔

بغداد کے اس عالم نے انتہائی نفرت وحقارت اور غصہ سے بھرا ہوا اشتہار اور خط بھیجا تھا جس کے جواب میں حضورؑ نے انتہائی محبت اور الفت وملائمت کے جذبات سے بھرپور ایسے خط لکھا ہے جیسے ایک شریر اور بے تمیز بچے کو اس کی ماں اپنے سینے سے لگا کر پیار سے سمجھاتی ہے۔

حضورؑ نے اس کتاب میں جو کہ ایک قسم کا خط ہے۔ اپنے دعاوی کے دلائل اور اپنے عقائد کو شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمایا۔ اور واضح طور پر لکھا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتا ہوں اور جو بھی اسلام کے ارکان ہیں ان پر میرا ایمان ہے۔ اس کے علاوہ آپؑ نے وفات مسیح کے دلائل اور ثبوت قرآن وحدیث سے درج فرمائے۔ اور یہ بھی بیان فرمایا کہ مسیح ناصری کی جگہ اس کے مثیل کو بھیجنے میں کیا حکمت ہے۔ اور اپنی بعثت کے مقاصد تحریر فرمائے۔

اپنے اس جواب میں حضرت اقدسؑ ان بغدادی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اے ارضِ مبارکہ کی ٹھنڈک اور اے وہاں کے رہنے والوں کی اولاد! تم بحمد اللہ متقی، پرہیز گار اور صالح ہو مجھے تم سے پیار ہے اور میں تم سے مخلصوں کی طرح پُر خلوص محبت کرتا ہوں۔ میں اللہ کی مؤکد قسم کھا کر تم سے یہ عہد کرتا ہوں کہ اگر تم مجھے اپنے دعوے کی صحت پر قرآنی آیات دکھا دو اور واضح دلیل پیش کر دو تو میں تمہارے ساتھ اتفاق کر لوں گا اور تمہاری بات قبول کر لوں گا، میں تو صرف حق کا خواہش مند ہوں۔ میں نے تو مخالفت و دشمنی کے عصا کو توڑ دیا ہوا ہے اور موافقت کے دودھ سے سیر اب ہوا ہوں۔ پس

تم مجھ سے حکمت سے اور اللہ کی سب سے برتر کتاب (قرآن) کی آیات کے ساتھ بحث کرو۔ ان شاء اللہ تم مجھے انصاف کرنے والوں میں سے پاؤ گے۔ لیکن اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تم مجھے گالیاں دو، مجھ پر لعنت ڈالو یا میری تکذیب کرو، یا تیغِ برّاں سے مجھے قتل کرو یا مجھے آگ میں ڈالو، تو پھر تمہاری مرضی جو چاہو کرو۔ اس کے جواب میں (ان شاء اللہ) میں تمہارے لئے صرف خیر اور عافیت کی ہی دعا کروں گا۔ اے اہل بیت! اللہ تم پر دنیا اور آخرت میں رحم کرے اور مرحومین میں جگہ دے۔"

(تحفۂ بغداد، روحانی خزائن جلد 7 صفحہ 10، 11۔ مترجم تحفۂ بغداد صفحہ 20)

آپؑ نے بغدادی صاحب کو یہ بھی دعوت دی ہے کہ دو ماہ کے لئے قادیان میں میرے مہمان بن کر رہو کہ تا اللہ تعالیٰ میرے حالات تم پر منکشف کر دے گا۔ اور فرمایا اگر یہ ممکن نہیں تو ایک ہفتہ تک کے لئے خدا کی جناب میں میری بابت استخارہ کر کے اسی علیم و خبیر ہستی سے رہنمائی چاہو۔

اور اپنے اس خط کے آخر پر فرمایا:

"اے میرے بھائی! تو مجھے کافر خیال کرتا ہے حالانکہ میں موحد مومن ہوں۔ میں اپنے رسول اور سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع ہوں۔ اللہ نے مجھے آپ کے علوم، اخلاق و عادات اور روحانی متاع کا وارث بنایا ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ میرا جنازہ بھی آنحضورؐ کی متابعت میں اٹھے گا۔ بایں ہمہ میں تیرے ساتھ بات کرنے میں نرمی اختیار کرتا ہوں اور تجھ سے بھی باعزت لوگوں جیسے رفق کی امید رکھتا ہوں۔ لہٰذا تو مجھ سے درشتگی سے پیش نہ آ اور کافروں کو مجھ پر ہنسی کا موقع نہ دے اور مجھے آگ نہ دکھا۔ اور اپنی تیغ براں نہ سونت۔ مومن تو حلیم اور نرم خو ہوتا ہے اور نیک لوگ اپنے بھائیوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں اور ان کے دلوں کو تسلی دینے کے لئے اور ان کے ہم و غم غلط کرنے کے لئے تیزی سے آگے آتے ہیں اور انہیں قتل کرنا بالکل نہیں چاہتے اور نہ وہ انہیں ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتے ہیں۔ اسلامی فرقوں میں بہت سے اختلافات ہیں۔ لیکن کوئی فرقہ دوسرے فرقے کو قتل کرنے کے لئے نہیں اٹھتا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت کا اختلاف رحمت ہے اس لئے اے بھائی! اپنی آتشِ غیظ و غضب کو بجھا اور اپنی تیغِ برّاں کو نیام میں رکھ اور جو طریق صالحین کے ہیں انہیں اختیار کر۔ تو ایسے شخص کو جو خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق ہے کیوں اذیت دیتا ہے؟ کیا تو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو خوش کر رہا ہے؟ یا اس سے ہمارے رب اعلیٰ کو راضی کر رہا ہے؟ سو یاد رکھ کہ اللہ اور اُس کا رسول

ایسے لوگوں سے بیزار ہیں جو ان کے اولیاء سے عداوت رکھتے ہیں۔ اگر تو ہمارے رسول کی شفاعت کا آرزو مند ہے تو پُر خلوص محبت کرنے والوں کو دکھ نہ دے۔ اللہ سے ڈر (میں پھر کہتا ہوں کہ) اللہ سے ڈر، (پھر کہتا ہوں کہ) اللہ سے ڈر تا کہ وہ تیرے گناہ بخشے اور تجھے انعام یافتہ لوگوں کی مسند پر بٹھائے۔ اے محتاج و ناتواں انسان! یقیناً اللہ کی ناراضگی تیری ناراضگی سے کہیں بڑھ کر ہے۔ پس اس کی کلہاڑی سے ڈر اور لرزاں و ترساں لوگوں میں شامل ہو جا۔" (تحفۂ بغداد، روحانی خزائن جلد 7 صفحہ 76،75۔ مترجم تحفۂ بغداد صفحہ 76،75)

آپؑ نے اس خط میں عربی میں قصیدہ بھی لکھا جس میں اپنی صداقت اور منجانب اللہ ہونے کے دلائل بیان فرمائے اور مکذبین کو اس خدائی گرفت سے ڈرایا ہے جو قرآن میں جابجا مذکور ہے۔ اور اپنے الہامات کا بھی ذکر فرمایا ہے جو عرش کے خدا نے آپ کو مخاطب کر کے فرمائے۔ الغرض ہر قسم کے دلائل شافیہ سے اتمام حجت فرمائی ہے۔

سلسلہ احمدیہ کے اوّلین مؤرخ حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ:

"اس رسالہ کے شائع ہو جانے کے بعد جو سید عبد الرزاق صاحب کو بذریعہ رجسٹری بھیجا گیا تھا۔ اس کو ہمت نہیں ہوئی کہ وہ قادیان آتا یا اس رسالہ کا جواب لکھتا۔"

(حیات احمدؑ جلد 4 صفحہ 271،270 مرتبہ یعقوب علی عرفانی صاحب)

مستشرقین و دیگر کے اعتراضات اور ان کے جوابات

مسٹر مارگولیس کے متعصبانہ من گھڑت اعتراض کا جواب

از افاضات امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

(ع-س-اختر)

مسٹر مارگولیس کا من گھڑت متعصبانہ اعتراض

بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ بنو قریظہ کے قیدیوں میں ایک عورت ریحانہ تھی جسے آنحضرتؐ نے لونڈی کے طور پر اپنے پاس رکھ لیا تھا اور اسی روایت کی بناء پر سر ولیم میور نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہایت دلآزار طعن کیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”رَیْحَانَہ بنت زید نَضَرِیَّہ کے واقعہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ بنو قریظہ کی قیدی عورتیں اور بچے مدینہ کے مسلمانوں میں تقسیم کر دیے گئے۔ ان میں بنو نضیر کی ایک عورت ریحانہ بنت زید تھی اور بنو قریظہ میں حکم نام کے ایک شخص سے اس کی شادی ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے لیے منتخب کیا۔ بعض کے نزدیک اس نے اسلام قبول کر لیا اور بعض کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بطور لونڈی کے رکھا اور بعض کے نزدیک شادی کی تھی۔ (سبل الھدیٰ والرشاد جلد 5 صفحہ 15، سیرت انسائیکلوپیڈیا جلد 7 صفحہ 428،429)

مختلف روایات ہیں۔ کیا سچ ہے کیا غلط ہے آگے اس کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے جبکہ اس روایت کی تحقیق کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سیرت نگاروں کو اس میں غلطی لگی ہے اور اوّل تو یہ روایت ہی خلافِ واقعہ اور وضعی ہے اور اگر اس میں کچھ حقیقت ہے بھی تو صرف اتنی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو آزاد کر دیا تھا اور وہ اپنے میکے واپس چلی گئی تھی اور وہیں وفات ہوئی۔ اور اگر بالفرض محال اس روایت کو تسلیم بھی کیا جائے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے شادی کی تھی نہ کہ بطور لونڈی کے رکھا تھا۔

چنانچہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس کی تفصیل میں ریحانہ کا غلط واقعہ کے عنوان کے ساتھ لکھا ہے

کہ بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ بنو قریظہ کے قیدیوں میں ایک عورت ریحانہ تھی جسے آنحضرتؐ نے لونڈی کے طور پر اپنے پاس رکھ لیا تھا اور اسی روایت کی بناء پر سر ولیم میور نے اس موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہایت دلآزار طعن کیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ اوّل تو صحیح بخاری کی محولہ بالا روایت جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کے قیدیوں کو صحابہ میں تقسیم فرمادیا تھا اس روایت کو غلط ثابت کرتی ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی قیدی عورت اپنے گھر کے لیے الگ کرلی تھی تو طبعاً اس موقع پر بخاری کی روایت میں اس کا ذکر ہونا چاہیے تھا مگر بخاری میں اس کا اشارہ تک نہیں ہے۔

علاوہ ازیں دوسری صحیح روایات سے معین طور پر ثابت ہے کہ ریحانہ ان قیدیوں میں سے تھی جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور احسان کے چھوڑ دیا تھا اور اس کے بعد ریحانہ مدینہ سے رخصت ہو کر اپنے میکے کے خاندان (بنو نضیر) میں چلی گئی تھی اور پھر وہیں رہی اور علامہ ابن حجر نے جو اسلام کے چوٹی کے محققین میں سے ہیں اسی روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ لیکن اگر یہ تسلیم بھی کیا جاوے کہ ریحانہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی سرپرستی میں لے لیا تھا تو تب بھی یقیناً وہ آپ کی بیوی تھی نہ کہ لونڈی۔ چنانچہ جن مورخین نے ریحانہ کے متعلق یہ روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی سرپرستی میں لے لیا تھا ان میں سے اکثر نے ساتھ ہی یہ صراحت کی ہے کہ آپؐ نے اسے آزاد کر کے اس کے ساتھ شادی کرلی تھی۔

چنانچہ ابن سعد نے ایک روایت خود ریحانہ کی زبانی نقل کی ہے جس میں وہ بیان کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آزاد کر دیا تھا اور پھر میرے مسلمان ہو جانے پر میرے ساتھ شادی فرمائی تھی اور میرا مہر بارہ اوقیہ "چالیس درہم" مقرر ہوا تھا اور ابنِ سعد نے اس روایت کے مقابلہ میں اس دوسری روایت کو جس پر سر ولیم میور نے بنیاد رکھی ہے صراحت کے ساتھ غلط اور خلاف واقعہ قرار دیا ہے۔ "باقی یہ مشکوک روایات میں ہے بہر حال۔" اور لکھا ہے کہ یہی اہلِ علم کی تحقیق ہے۔

الغرض اوّل تو جیسا کہ بخاری کی روایت سے استدلال ہوتا ہے اور اصابہ میں تصریح کی گئی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ریحانہ کو اپنی سرپرستی میں لیا ہی نہیں بلکہ اسے آزاد کر دیا تھا۔ جس کے بعد وہ اپنے خاندان میں جا کر آباد ہو گئی تھی۔ دوسرے اگر اس روایت کو تسلیم بھی کیا جاوے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی سرپرستی میں لے لیا تھا تو تب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آزاد کر کے اس کے ساتھ شادی فرمائی تھی اور اسے لونڈی کے طور پر نہیں رکھا۔" جیسا کہ اس کی اپنی ایک روایت سے بعض لوگوں نے لکھا ہے۔ کہاں تک وہ صحیح ہے اللہ بہتر جانتا ہے۔ "علاوہ ازیں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ ریحانہ

کے نام اور حسب نسب اور قبیلہ وغیرہ کے متعلق روایات میں اس قدر اختلاف ہے کہ اس کے وجود ہی کے متعلق شبہ کرنا غالباً غیر معقول نہیں سمجھا جاسکتا۔ خصوصاً جبکہ اس بات کو مد نظر رکھا جاوے کہ اسے ایک ایسے شخص کی بیوی کہا جاتا ہے جو دنیا میں یقیناً سب سے زیادہ تاریخی شخص ہے واللہ اعلم۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 604، 605، لغات الحدیث جلد 4 صفحہ 527)

مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ جب مال غنیمت جمع ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کا حصہ کر کے تقسیم کیا۔ اس غزوہ میں چھتیس گھوڑے تھے۔ ایک گھوڑے کے لیے دو حصے اور گھڑ سوار کے لیے ایک حصہ اور پیادہ کے لیے ایک حصہ مقرر کیا گیا۔ ایک ہزار عورتیں اور بچے قیدی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت تقسیم کرنے سے پہلے اس کا خمس نکالا۔ قیدیوں کے پانچ حصے کیے اور اس میں سے خمس رکھ لیا۔ آپ اس میں سے آزاد کرتے اور ہبہ کرتے اور خادم بناتے۔ اسی طرح کھجوروں میں سے بھی خمس نکالا اور ہر ایک چیز کا خمس نکال کر حصہ تقسیم کیا گیا۔ ان میں سے ہر ایک حصہ کے لیے قرعہ اندازی کی جاتی جو حصہ قرعہ اندازی میں خمس کا نکلتا وہ آپ لے لیتے اور حضرت مَحمِیَہ بن جَزء زُبَیْدِی کو خمس پر نگران مقرر کیا۔ پھر بقیہ چار حصے تقسیم کیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں کو بھی عطا فرمایا جو جنگ کے وقت حاضر تھیں۔ ان عورتوں میں حضرت صفیہ بنت عبد المطلبؓ، حضرت ام عمارہؓ، حضرت ام سَلِیطؓ، حضرت ام عَلَاؓ انصاریہ، حضرت سمیراؓ بنت قیسؓ، حضرت امّ سعد بن معاذؓ اور حضرت کَبْشَہ بنت رافعؓ شامل تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عُبَادہؓ کو ایک گروہ کے ساتھ خمس کے اموال یعنی قیدی وغیرہ فروخت کرنے کے لیے شام کی طرف بھیجا کہ ان کے بدلے میں ہتھیار اور گھوڑے خرید کر لائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے اس میں سے ایک حصہ خرید لیا۔ (سبل الھدیٰ والرشاد جلد 5 صفحہ 15، 16)

لیکن ایک رائے یہ بھی ہے کہ ان سب قیدیوں کو مدینہ میں ہی رکھا گیا تھا کہیں نہیں بھیجا گیا۔ پھر انہیں آہستہ آہستہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بطور احسان رہا بھی فرماتے رہے۔ چنانچہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے مختلف تاریخ کی کتب سے اپنی تحقیق کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "بچے اور عورتیں جو سعد کے فیصلہ کے مطابق قید کر لیے گئے تھے ان کے متعلق بعض روایات سے پتہ لگتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نجد کی طرف بھجوا دیا تھا جہاں بعض نجدی قبائل نے ان کا فدیہ ادا کر کے انہیں چھڑا لیا تھا اور اس رقم سے مسلمانوں نے اپنی جنگی ضروریات کے لیے گھوڑے اور ہتھیار خریدے تھے۔ اگر ایسا ہوا ہو تو کوئی بعید نہیں کیونکہ نجدی

قبائل اور بنو قریظہ آپس میں حلیف تھے اور غزوہ قریظہ سے صرف چند دن قبل ہی وہ غزوۂ احزاب میں مسلمانوں کے خلاف اکٹھے لڑ چکے تھے اور دراصل اہل نجد ہی کی انگیخت پر بنو قریظہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کیا تھا۔ پس اگر نجد والوں نے اپنے حلیف بنو قریظہ کے قیدیوں کو مسلمانوں کے ہاتھ سے چھڑا لیا ہو تو جائے تعجب نہیں لیکن صحیح روایات سے پتہ لگتا ہے کہ یہ قیدی مدینہ میں ہی رہے تھے۔ کہیں نہیں گئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حسبِ دستور مختلف صحابیوں کی نگرانی میں تقسیم فرما دیا تھا۔ اور پھر ان میں سے بعض نے اپنا فدیہ ادا کر کے رہائی حاصل کر لی تھی۔ اور بعض کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یونہی بطور احسان کے چھوڑ دیا تھا۔ اور پھر یہ لوگ بعد میں آہستہ آہستہ بطیبِ خاطر خود مسلمان ہو گئے۔ چنانچہ ان میں سے عَطِیَّہ قُرَظِی اور عبد الرحمٰن بن زُبَیر بن بَاطِیَا اور کعب بن سُلَیم اور محمد بن کَعْب کے نام تاریخ میں محفوظ ہیں اور یہ سب مسلمان ہو گئے تھے۔'' اور ان میں جو مؤخر الذکر ہیں محمد بن کعب یہ شخص تو ایک بڑے پائے کے مسلمان گزرے ہیں۔(ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 603، 604)

یہ قیدی عورتیں تقسیم ہوئی ہوں یا فروخت کی گئی ہوں اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسا حکم دیا جو آپ کی وسعت رحمت اور عورتوں کے محسن کے طور پر آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بھی کوئی عورت تقسیم کی جائے یا فروخت کی جائے۔ اگر اس کے ساتھ چھوٹا بچہ یا بچی ہو تو اس کو اس کی ماں سے الگ نہ کیا جائے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے اور ایسا ہی اگر دو چھوٹی بہنیں ہوں تو انہیں بھی بالغ ہونے تک جدا نہ کیا جائے۔(سبل الھدیٰ والرشاد جلد 5 صفحہ 16، غزوہ بنو قریظہ از باشمیل صفحہ 181)

یہ تھا رحمۃ للعالمینؐ کا عمل اور آپؐ کا عورتوں پر احسان اور قیدیوں پر احسان اور اپنے مخالفین پر احسان لیکن آجکل مسلمانوں کا کیا حال ہے کہ اللہ اور رسولؐ کے نام پر لوگوں کو گھروں سے بے گھر کر رہے ہیں، نکال رہے ہیں، قتل کر رہے ہیں اور پھر اس کا نتیجہ یہی نکل رہا ہے کہ مسلمانوں کی اپنی عزت ختم ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کو بھی عقل اور سمجھ عطا فرمائے۔

(خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 25 اکتوبر 2024ء الفضل انٹرنیشنل 15 نومبر 2024ء خطبات مسرور جلد 22 صفحہ 485 تا 488)

آنحضرتؐ کی بے مثال مذہبی آزادی اور مذہبی رواداری

از افاضات حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب۔ خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(ابو شاذب)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا۔(الفرقان:58)

تو اُن سے کہہ دے کہ میں تم سے اس (یعنی خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچانے) کا کوئی اجر نہیں مانگتا ہاں اگر کوئی شخص اپنی مرضی سے چاہے تو اپنے رب کی طرف جانے والی راہ کو اختیار کر لے (وہی میرا بدلہ ہو گا)۔

حضرت مصلح موعودؓ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں:

”فرماتا ہے تو اُن لوگوں سے کہہ دے کہ میں تم سے خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کے بدلہ میں کسی اجر کا طالب نہیں۔ میرا اجر تو صرف اتنا ہی ہے کہ اگر کسی شخص کا دل اسلام کی صداقت قبول کرنے کے لئے کھل جائے اور وہ اپنی مرضی سے اس راہ کو اختیار کر لے جو اُسے خدا تعالیٰ تک پہنچانے والی ہے تو وہ اسلام میں داخل ہو جائے اور اپنے رب کی رضا حاصل کر لے۔

یہ آیت اسلام کے اس بلند ترین نظریہ کو دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے کہ قبول مذہب کے بارہ میں ہر شخص کو آزادیٔ رائے کا حق حاصل ہے اور اسے اختیار ہے کہ وہ جس مذہب کو چاہے قبول کرے۔ اس بارہ میں کسی پر جبر و تشدد کا روا رکھنا جائز نہیں۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں مبعوث ہوئے اُس وقت عرب اور دوسرے ممالک کے لوگ مذہبی معاملات میں جبر و تشدد کو روا رکھنا بالکل جائز سمجھتے تھے لیکن قرآن کریم نے اس طریق عمل کو غلط قرار دیتے ہوئے اعلان کیا کہ لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔(البقرہ:257) یعنی دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ہدایت اور گمراہی میں خدا تعالیٰ نے نمایاں فرق کر کے دکھا دیا ہے پس جو سمجھنا چاہے وہ دلیل سے سمجھ سکتا ہے اس پر جبر نہیں کرنا چاہیے۔

اس آیت سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اسلام غیر مذاہب سے کس قدر رواداری کی تعلیم دیتا ہے اور

مذہبی معاملات میں انہیں کس قدر آزادی عطا کرتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اسلام کی اس روشن تعلیم کے ہوتے ہوئے یورپین مستشرقین نے انتہائی ظلم سے کام لیتے ہوئے بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض کیا ہے کہ آپ کا غیر مذاہب سے سلوک جبر و تشدد پر مبنی تھا اور آپ کا مذہب تلوار کا مذہب تھا۔
(تفسیر القرآن الکریم ویری جلد اول صفحہ 358)

حالانکہ مذہبی رواداری پر اسلام نے اس قدر زور دیا ہے کہ جس کی نظیر کسی اور جگہ نہیں پائی جاتی۔

(1) آپؐ کی بعثت سے پہلے دنیا میں عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ جب تک غیر مذاہب والوں کو کلی طور پر جھوٹا ثابت نہ کر لیا جائے اپنے مذہب کی سچائی ثابت نہیں ہو سکتی۔ مگر اسلام نے اس نظریہ کو غلط قرار دیا۔ چنانچہ اسلام جہاں اپنی خوبیوں کو پیش کرنے کا حکم دیتا ہے وہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت واضح طور پر یہ بھی تعلیم دی ہے کہ کسی دوسرے کی خوبی کا انکار نہیں کرنا چاہیے۔ اور یہ بھی کہ ہر مذہب میں کچھ نہ کچھ خوبیاں ہیں جن کا انکار کرنا سراسر ظلم ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۖ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ (البقرہ :114)
یعنی یہ کیسے ظلم کی بات ہے کہ عیسائی کہتے ہیں یہودیوں میں کوئی خوبی نہیں اور یہودی کہتے ہیں عیسائیوں میں کوئی خوبی نہیں حالانکہ وہ دونوں ایک ہی کتاب پڑھنے والے ہیں۔ اور دونوں میں کچھ نہ کچھ خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ یعنی چاہیے تو یہ تھا کہ یہودی عیسائیوں کی خوبیوں کو تسلیم کرتے اور عیسائی یہودیوں کی خوبیوں کو تسلیم کرتے۔ نہ یہ کہ یہودی عیسائیوں کے متعلق کہنا شروع کر دیتے کہ اُن میں کوئی خوبی نہیں اور عیسائی یہودیوں کے متعلق کہنا شروع کر دیتے کہ اُن میں کوئی خوبی نہیں بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ وہ دونوں ایک ہی کتاب کے حامل ہیں۔ غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو یہ تعلیم دی کہ دوسروں کی خوبیوں کو تسلیم کرنا چاہیے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ دوسرے مذاہب میں کوئی خوبی ہی نہیں وہ اپنی نابینائی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ایسی اعلیٰ درجہ کی تعلیم دی ہے کہ اس کے ذریعہ آپ نے تمام اقوام کے دل رکھ لئے ہیں۔ کسی کے مذہب کے متعلق یہ کہنا کہ اس میں کوئی بھی خوبی نہیں اس مذہب کے پیروؤں کے لئے سخت تکلیف دہ بات ہوتی ہے۔ پس اس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصل پیش فرمایا کہ ہر قوم کی خوبی کو تسلیم کرو۔ اور اس طرح آپ نے دنیا کی تمام اقوام اور مذاہب پر بہت بڑا احسان کیا۔

(2) پھر آپؐ نے فرمایا کہ کسی مذہب کے پیروؤں کے متعلق یہ نہ کہو کہ وہ اپنے مذہب کو دھوکا اور

فریب سے مانتے ہیں بلکہ باوجود اس کے کہ پہلے مذاہب بگڑ چکے ہیں۔ اُن کے ماننے والوں میں سے اکثر انہیں دل سے سچا سمجھ کر ہی مانتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں یہودیوں کے متعلق آتا ہے کہ اُن میں سے بعض ایسے ہیں کہ اگر اُن کے پاس ڈھیروں ڈھیر مال بھی امانت رکھوا دیا جائے تو وہ اس میں خیانت نہیں کریں گے (آل عمران ع8) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں میں ایسے لوگ موجود تھے جو اپنے مذہب کو سچا سمجھ کر مانتے تھے۔ اسی طرح عیسائیوں کے متعلق قرآن کریم میں آتا ہے کہ اُن میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو خدا تعالیٰ کا ذکر سن کر رونے لگ جاتے ہیں اور خشیت سے اُن کے دل بھر جاتے ہیں (المائدۃ ع11) کیا ایسے لوگ اپنے مذہب کو فریب سے ماننے والے ہو سکتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دے کر اپنی امت کو بتایا ہے کہ انہیں دوسرے مذاہب کے پیروؤں کے احساسات کا ہمیشہ احترام کرنا چاہیے کیونکہ خواہ وہ جھوٹے مذاہب کے پیرو ہوں مگر بہر حال وہ انہیں سچا سمجھ کر اُن کے پیچھے چل رہے ہیں۔

(3) تیسرے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی تمام اقوام کے متعلق اصولی طور پر یہ تعلیم دی کہ اُن میں اللہ تعالیٰ کے انبیاء مبعوث ہوتے رہے ہیں چنانچہ فرمایا۔ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ۔ (الفاطر:25) یعنی دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جس میں خدا تعالیٰ کا کوئی نبی نہ آیا ہو۔ اس تعلیم کے ذریعہ چونکہ سب اقوام کے نبیوں کے تقدس کو قبول کر لیا گیا ہے اس لئے وہ منافرت جو دائرہ ہدایت کو محدود کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے دل سے دُور ہو جاتی ہے اور انسان عقیدۃً اس امر کو تسلیم کر لیتا ہے کہ سب مذاہب کی اصل سچائی پر مبنی ہے۔ اور مختلف مدارج میں ہدایت دوسرے مذاہب میں بھی پائی جاتی ہے۔ کیونکہ اُن کی ابتداء خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوئی تھی۔ پس بندوں نے ان مذاہب کو خواہ کتنا بھی بگاڑ دیا ہو پھر بھی خدا تعالیٰ کی ہدایت میں سے کچھ نہ کچھ اُن کے پاس ضرور موجود ہے۔ اس لئے باوجود اختلاف کے مجھے اُن سے اتحاد رکھنا چاہیے اور انہیں محبت اور پیار کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔

(4) چوتھی تعلیم آپؐ نے یہ دی کہ جب کسی قسم کی مذہبی بحث ہو تو جوش میں آکر گالیوں پر نہ اُتر آؤ۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ (انعام:109) یعنی جب تمہاری دوسری قوموں سے بحث ہو تو وہ ہستیاں جنہیں تم نہیں مانتے خواہ انہیں خدا کے مقابلہ میں پیش کیا جاتا ہو۔ پھر بھی انہیں بُرا بھلا نہ کہو ورنہ وہ بھی اس خدا کو گالیاں دینے لگیں گے جسے تم مانتے ہو۔ اور اس طرح تم خدا تعالیٰ کو گالیاں دلوانے کا موجب ہو جاؤ گے جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے باپ کو گالی نہ دے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا کوئی شخص ایسا بھی ہو سکتا ہے جو اپنے باپ کو گالیاں دے۔ آپ نے فرمایا جب تم کسی کے باپ کو گالیاں دو گے تو وہ تمہارے باپ کو گالیاں دے گا اور اس طرح تم خود اپنے باپ کو گالیاں دلوانے والے سمجھے جاؤ گے۔
(صحیح بخاری کتاب الادب باب لایسب الرجل والدیہ)

(5) پانچویں ہدایت آپؐ نے یہ فرمائی کہ صرف مذہب کے اختلاف کی وجہ سے کسی قوم پر حملہ نہیں کرنا چاہیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ جس قوم سے مذہبی اختلاف ہو اُس پر حملہ کر کے اس کو تباہ کرنا جائز ہوتا ہے۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بالکل خلاف حکم دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ذریعہ اعلان فرمایا کہ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا۔(البقرہ:191) یعنی تم جنگ تو کر سکتے ہو مگر صرف انہی سے جو تم پر حملہ آور ہوں۔ مذہب کے اختلاف کی وجہ سے کبھی کسی پر حملہ نہ کرنا اس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حربی غیر مسلموں کو بھی حریت ضمیر عطا کی اور بتایا کہ خواہ کسی کا کوئی مذہب ہو۔ اُس کی وجہ سے کسی دوسرے کو یہ حق حاصل نہیں کہ اُسے مارے یا نقصان پہنچائے۔

(6) چھٹا حق آپؐ نے غیر مسلم اقوام کا یہ قرار دیا کہ فرمایا خواہ کسی قوم سے عہد ہو تمہارا فرض ہے کہ تم اُسے قائم رکھو۔ لوگوں کو یہ بہت بڑی غلطی لگی ہوئی ہے اور اس غلطی میں وہ مسلمان بھی مبتلا ہیں جو قرآن کریم پر تدبر نہیں کرتے کہ غیروں سے جو عہد ہو اُسے توڑ دینا کوئی حرج کی بات نہیں ہوتی۔ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف حکم دیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَۃً فَانْبِذْ اِلَیْھِمْ عَلٰی سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ۔ (الانفال:59) کہ اگر کوئی قوم عہد توڑ دے تو اُسے بتا دینا چاہیے کہ تم نے عہد توڑ دیا ہے اب ہم پر بھی عہد کی پابندی نہیں یونہی اس پر حملہ نہیں کر دینا چاہیے۔ چنانچہ ابوسفیان جب صلح حدیبیہ کے بعد مکہ میں آیا اور اُس نے کہا کہ اب میں نئے سرے سے معاہدہ کرتا ہوں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابوسفیان تم نے یہ اعلان اپنی طرف سے کیا ہے۔ میں نے نہیں کیا۔ اور اس طرح اُسے بتا دیا کہ اب ہم تم پر حملہ کریں گے۔
(السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ذکر الاسباب الموجبۃ المسیر الی مکۃ وذکر فتح مکۃ)

اس کے مقابلہ میں آج کل جب کسی ملک پر حملہ کرنا ہوتا ہے تو اس قسم کے اعلان کئے جاتے ہیں کہ

فلاں حکومت سے ہمارے بڑے اچھے تعلقات ہیں چنانچہ اٹلی نے جب ٹرکی پر حملہ کیا تو اس حملہ سے تین دن پہلے یہ اعلان کیا گیا کہ ٹرکی کے ساتھ ہمارے آجکل ایسے اچھے تعلقات ہیں کہ اس قسم کے تعلقات پہلے کبھی نہیں ہوئے۔ یہ اعلان صرف اس لئے کیا گیا کہ ٹرکی غافل رہے اور اس پر اچانک حملہ کر دیا جائے۔ مگر ابو سفیان نے جب اعلان کیا تو اُس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگر خاموش بھی رہتے تب بھی آپؐ پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوتی۔ کیونکہ مکہ والے معاہدہ توڑ چکے تھے۔ مگر آپ خاموش نہ رہے بلکہ فرمایا کہ یہ تمہارا اپنا اعلان ہے۔ ہمارا نہیں اس طرح اُسے اشارۃً بتا دیا کہ اب ہم حملہ کرنے والے ہیں۔

(7) ساتویں۔ پھر آپؐ نے مسلم اور غیر مسلم کے تمدنی حقوق ایک جیسے قرار دیئے اور یہ بات ایسی ہے جو صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کی ہے۔ آپؐ سے پہلے یہودیوں میں یہ حکم تھا کہ تم اپنے بھائیوں یعنی یہودیوں سے سود نہ لو۔ دوسروں سے لے لیا کرو۔

(استثنا باب 23 آیت 20-19 واحبار باب 25 آیت 35 تا 37)

مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سود نہ یہودیوں سے لو نہ عیسائیوں سے نہ مسلمانوں سے۔ غرض کسی سے بھی سود نہ لو۔ گویا سب سے ایک سا سلوک کرنے کا حکم دیا (بقرہ ع 38) اس طرح رسول کریمؐ نے تمدنی سلوک کے بارہ میں مسلم اور غیر مسلم کے امتیاز کو اڑا دیا۔

(بخاری کتاب المغازی باب قول اللہ تعالیٰ ویوم حنین اذ أعجبتکم)

(8) آٹھویں تعلیم آپؐ نے یہ دی کہ غلاموں کی آزادی میں بھی مسلم اور غیر مسلم کا کوئی امتیاز روا نہ رکھا جائے۔ چنانچہ جنگ حنین کے موقعہ پر سینکڑوں غلام جو پکڑے آئے۔ باوجود اس کے کہ وہ دشمن تھے آپؐ نے انہیں آزاد کر دیا۔

(9) نویں تعلیم غیر مسلموں کے متعلق آپ نے یہ دی کہ جہاں اسلامی حکومت ہو وہاں مسلمانوں پر زیادہ بوجھ رکھا جائے اور دوسروں پر کم۔ چنانچہ اسلامی احکام کے ماتحت ضروری ہے کہ

(1) مسلمان لڑائی میں شامل ہوں

(2) عشر یعنی دسواں حصہ پیداوار کا دیں

(3) زکوٰۃ دیں لیکن غیر مسلموں کے لئے صرف 2/21 روپیہ کے قریب فی کس ٹیکس رکھا گیا ہے جو مسلمانوں کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ اور پھر لڑائی میں انہیں آزادی دی گئی ہے۔ سوائے اس کے کہ مسلمانوں

سے اجازت لے کر اپنی خوشی سے وہ لڑائی میں شامل ہو جائیں۔

(ابو داؤد کتاب الخراج والفیء والامارۃ باب فی اخذ الجزیۃ)

آنحضرت ﷺ کی بے مثال روادارانہ تعلیم:

غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کے متعلق ایسی روادارانہ تعلیم دی ہے جس کی مثال دنیا کا کوئی اور مذہب پیش نہیں کر سکتا۔ اب میں یہ بتاتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مذاہب کے پیرؤوں کے متعلق عملی رنگ میں کیا نمونہ پیش کیا۔ سو اس بارہ میں جب ہم تاریخ پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ:

(1) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر اقوام کے نیک انسانوں کا عملاً احترام کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جب طے قبیلہ سے جنگ ہوئی تو کچھ مشرک بطور قیدی پکڑے آئے۔ اُن میں حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی۔ اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ جانتے ہیں میں کس کی بیٹی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کس کی بیٹی ہو۔ اُس نے کہا میں اس شخص کی بیٹی ہوں جو مصیبتوں کے وقت لوگوں کے کام آیا کرتا تھا۔ یعنی حاتم کی۔ وہ مسلمان نہ تھا لیکن چونکہ لوگوں سے اچھا سلوک کرتا تھا اس لئے اس کی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی بیٹی کو آزاد کر دیا۔ اس کا بھائی گرفتاری کے خوف سے بھاگا پھرتا تھا۔ آپؐ نے اُسی وقت اُسے روپیہ اور سواری دے کر کہا کہ جا کر اپنے بھائی کو بھی لے آؤ چنانچہ وہ گئی اور اُسے لے آئی۔ اُس پر اس سلوک کا ایسا اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا۔ اس طرح آپؐ نے اس کی سفارش پر اُس کی ساری قوم کی سزا کو بھی معاف کر دیا۔ (السیرۃ الحلبیۃ باب یذکر فیہ ما یتعلق بالوفود التی وفدت علیہ صلی اللہ علیہ وسلم وفود عدی بن الحاتم الطائی)

اس سے ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر نہ صرف غیر مذاہب کے لوگوں کی خوبیوں کا اعتراف کیا بلکہ اُن سے تعلق رکھنے والوں سے بھی حسنِ سلوک کیا۔ اور انہیں اپنے احسانات سے نوازا۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں جب طے قبیلہ بعض لوگوں کے اکسانے سے بغاوت میں شامل ہو گیا تو حاتم طائی کے بیٹے نے جو خود اسلام سے بھاگا پھر رہا تھا آکر اپنی قوم کو سمجھایا اور دوبارہ اُن کی بیعت کرائی۔ (طبری سنۃ 11 ذکر بقیۃ الخبر عن غطفان)

(2) دوسری مثال نصاریٰ نجران کا واقعہ ہے۔ نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس الوہیتِ مسیحؑ کی تائید میں بحث کرنے کے لئے آیا مگر باوجود اس کے کہ وہ لوگ شرک کی تائید کے

لئے آئے تھے جب اُن کی عبادت کا وقت آیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسجد نبویؐ میں ہی اپنے طریق پر عبادت کرنے کی اجازت دے دی اور انہوں نے سب کے سامنے مشرق کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی۔ (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام امر السید والعاقب وذکر المباھلۃ)

اس سلوک کو دیکھتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی جانیں لینے کے لئے اور اُن پر ظلم کرنے کے لئے آئے تھے، جو جانیں لینے کے لئے آیا کرتا ہے کیا وہ اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی مسجد میں غیر مذاہب والوں کو عبادت کی اجازت دے سکتا ہے اور مسجد بھی وہ جس کے متعلق آپؐ نے اٰخر المساجد فرمایا ہے۔ اور جس میں نماز پڑھنا دوسری مساجد کی نسبت بہت زیادہ قابل ثواب قرار دیا ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الحج باب فضل الصلاۃ بمسجدی مکۃ والمدینۃ)

اس مسجد میں خدا تعالیٰ کے نبیؐ کی موجودگی میں اور اُس نبیؐ کی موجودگی میں جو خدا تعالیٰ کی توحید قائم کرنے کے لئے آیا تھا۔ نصاریٰ صلیبیں رکھ کر عبادت کرنا چاہتے ہیں اور آپ فرماتے ہیں کیا حرج ہے بیشک کر لو۔ آج بڑے بڑے رواداری کا دعویٰ کرنے والوں کو بھی اتنی جرأت نہیں ہوتی کہ اپنی عبادت گاہوں میں غیر مذاہب کے لوگوں کو عبادت کرنے دیں صرف ہماری جماعت کی ایک مثال ہے جس نے یہ نمونہ قائم کیا اور مسجد لنڈن کی بنیاد رکھتے ہوئے ہی اعلان کر دیا کہ ”یہ مسجد صرف اور صرف خدا تعالیٰ کی عبادت کے لئے بنائی جاتی ہے تا کہ دنیا میں خدا تعالیٰ کی محبت قائم ہو اور لوگ مذہب کی طرف جس کے بغیر حقیقی امن اور حقیقی ترقی نہیں متوجہ ہوں۔ اور ہم کسی شخص کو جو خدا تعالیٰ کی عبادت کرنا چاہے ہرگز اس میں عبادت کرنے سے نہیں روکیں گے بشرطیکہ وہ اُن قواعد کی پابندی کرے جو اس کے منتظم اس کے انتظام کے لئے مقرر کریں۔ اور بشرطیکہ وہ اُن لوگوں کی عبادت میں مخل نہ ہوں جو اپنی مذہبی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اس مسجد کو بناتے ہیں۔“ (الفضل مورخہ 20 نومبر 1924ء صفحہ 5 کالم نمبر 1)

مجھے یاد ہے ایک دفعہ قادیان میں آریوں کا جلسہ ہوا جس میں انہوں نے ہمارے خلاف بہت شور مچایا۔ جلسہ کے بعد اُن کے لیکچرار مجھ سے ملنے آئے۔ میں نے اُن سے کہا کہ میں نے سُنا ہے آپ کو جگہ کے متعلق تکلیف ہوئی۔ آپ میرے پاس آتے میں اپنی مسجد میں انتظام کروا دیتا۔ وہ کہنے لگے کیا آپ اپنی مسجد میں اس کی اجازت دے دیتے؟ میں نے کہا کیوں نہیں۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائیوں کو اپنے طریق پر عبادت کرنے کی اجازت دے دی تھی تو میں آپ کو مسجد میں لیکچر کی اجازت کیوں نہیں دے

سکتا۔ اس پر اُن میں سے ایک نے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں آج لیکچر دے سکتا ہوں۔ میں نے کہا اجازت ہے۔ چنانچہ مسجد اقصیٰ میں اس کا لیکچر ہوا جس میں مَیں بھی شامل ہوا۔ اس کے بعد آریہ صاحبان کی موجودگی میں حافظ روشن علیؓ صاحب مرحوم نے اُن کے اعتراضات کے جواب دیئے۔ اس کا ایسا اثر ہوا کہ اُن کا جلسہ ہی بند ہو گیا اور شاید بارہ تیرہ سال کے بعد اُن کا دوبارہ جلسہ ہوا۔ غرض اسلام غیر مذاہب کے متعلق جس رواداری انہ تعلیم کا حامل ہے۔ اُس کی نظیر دنیا کا کوئی مذہب پیش نہیں کر سکتا۔

(3) غیر مذاہب سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلوک کی تیسری مثال یہ ہے کہ آپ اپنے ہمسائیوں سے خواہ وہ کسی مذہب و ملت سے تعلق رکھتے ہوں اچھا سلوک کرنے کا حکم دیتے تھے اور اس کے متعلق اتنا زور دیتے تھے کہ صحابہؓ ہر وقت اس کی پابندی ملحوظ رکھتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ ایک دفعہ گھر میں آئے تو انہوں نے دیکھا کہ کہیں سے اُن کے ہاں گوشت آیا ہوا ہے۔ انہوں نے گھر والوں سے پوچھا کہ کیا یہودی ہمسائے کو گوشت بھیجا ہے یا نہیں۔ اور پھر آپ نے اس بات کو اتنی دفعہ دوہرایا کہ گھر والوں نے کہا۔ آپ اس طرح کیوں کہتے ہیں انہوں نے کہا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سُنا ہے کہ جبرائیل نے اتنی دفعہ مجھے ہمسایہ کے حق کی تاکید کی کہ میں نے سمجھا شاید اسے وراثت میں شریک کر دیا جائے گا۔

یہ عملی سلوک تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو آپ نے غیر مذاہب کے لوگوں سے روا رکھا۔ آپ غیر مذاہب والوں کے احساسات کا بھی بے حد خیال رکھتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت ابو بکرؓ کے سامنے کسی یہودی نے کہہ دیا کہ مجھے موسیٰؑ کی قسم جسے خدا نے سب نبیوں پر فضیلت دی ہے۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے اُسے تھپڑ مار دیا۔ جب اس واقعہ کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی تو آپ نے حضرت ابو بکرؓ جیسے انسان کو زجر کی۔ (صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب وفاۃ موسیٰ وذکرہ بعد)

غور کرو مسلمانوں کی حکومت ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت موسیٰؑ کو ایک یہودی فضیلت دیتا ہے اور ایسی طرز سے کلام کرتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ جیسے نرم دل انسان کو بھی غصہ آجاتا ہے اور آپ اسے طمانچہ مار بیٹھتے ہیں۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ڈانٹتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ اُسے حق ہے کہ جو چاہے عقیدہ رکھے۔

(4) آپ کے حسنِ سلوک کی چوتھی مثال یہ ہے کہ فتح خیبر کے موقعہ پر ایک یہودی عورت نے

آپ کی دعوت کی اور اُس نے گوشت میں زہر ملا دیا۔ آپ نے صرف ایک ہی لقمہ کھایا تھا کہ آپ پر وحی نازل ہوئی کہ اس میں زہر ہے اور آپ نے کھانے سے ہاتھ اُٹھالیا۔ اس کے بعد آپ نے اس عورت کو بلایا اور فرمایا کہ اس کھانے میں تو زہر ہے۔ اُس نے کہا آپ کو کس نے بتلایا۔ آپ کے ہاتھ میں اُس وقت بکری کا دست تھا۔ آپ نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس ہاتھ نے مجھے بتایا ہے۔ یہودن نے کہا میں نے یہ زہر اس لئے ملایا تھا کہ اگر آپ واقعہ میں خدا تعالیٰ کے سچے نبی ہیں تو آپ کو یہ بات معلوم ہو جائے گی اور اگر جھوٹے ہیں تُو دنیا کو آپ کے وجود سے نجات حاصل ہو جائے گی۔ مگر باوجود اس کے کہ اُس نے آپ کو زہر سے ہلاک کرنے کی کوشش کی اور باوجود اس کے کہ ایک صحابیؓ اس زہر کی وجہ سے بعد میں فوت ہو گئے آپ نے اسے کوئی سزا نہ دی۔ یہ کتنا بڑا نیک سلوک ہے جو آپ نے ایک ایسی دشمن عورت سے کیا جس نے آپ کی اور آپ کے جاں نثار صحابہؓ کی جان لینے کی کوشش کی اور اس طرح اسلام کو بیخ و بن سے اکھیڑ نا چاہا۔

(المواھب اللدنیۃ الجزء الثالث غزوۃ خیبر)

(5) آپ کے سلوک کی پانچویں مثال یہ ہے کہ جب آپ جنگ کے لئے جاتے تو سپاہیوں کو خاص طور حکم دیتے کہ کسی قوم کی عبادتگاہیں نہ گرائی جائیں۔ اُن کے مذہبی پیشواؤں کو نہ مارا جائے۔ عورتوں پر اور بوڑھوں پر اور بچوں پر حملہ نہ کیا جائے۔ (صحیح بخاری کتاب الجھاد باب تحریم قتل النساء والصبیان فی الحرب)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے پہلے یہ رواج تھا کہ پادریوں اور راہبوں کو مار ڈالا جاتا تھا۔

(تواریخ مسیحی کلیسیا 33 سے 600 م ص 156، 181)

مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے قطعی طور پر روک دیا۔ اگر آپ دوسرے مذاہب کے ایسے ہی دشمن ہوتے جیسے مخالفین آپ کو قرار دیتے ہیں تو کیا آپ یہ حکم دیتے کہ ان مذاہب کے رہنماؤں کو چھوڑ دیا جائے؟ آپ تو یہ کہتے کہ سب سے پہلے ان کو مارا جائے مگر آپ نے فرمایا۔ جو تلوار لے کر حملہ کرتا ہے اُسے تو بے شک مارو۔ لیکن جو لوگ مذہبی کاموں میں مصروف رہتے ہوں اُن کو کچھ نہ کہو۔

(6) پھر دنیا میں یہ طریق ہے کہ جن لوگوں سے جنگ ہوتی ہے اُن کے احساسات کا خیال نہیں رکھا جاتا اور مفتوح اقوام کو ہر طرح دبانے اور اُن کے جذبات کو کچلنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دیکھو۔ مکہ والوں نے آپ پر کس قدر ظلم کئے تھے۔ متواتر 13 سال مکہ والے آپ پر اور آپ کے ساتھیوں پر مظالم کرتے رہے عورتوں کی شرمگاہوں میں نیزے مار مار کر ہلاک کیا گیا۔ صحابہؓ کو

رسیوں سے باندھ کر انہیں تپتی ریت پر گھسیٹا گیا۔ بھٹیوں سے کوئلے نکال کر اُن پر مسلمانوں کو لٹایا گیا۔ بعض مردوں اور عورتوں کی آنکھیں نکال دی گئیں اور یہاں تک ظلم کئے گئے کہ آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا اور جب مکہ چھوڑ کر آپ مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں بھی ان لوگوں نے آپ کو چین نہ لینے دیا اور وہاں کے لوگوں کو آپ کے خلاف اکسایا۔ قیصر اور کسریٰ کی حکومتوں کو اشتعال دلایا۔ مگر جب ایسی قوم کے خلاف آپ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ چڑھائی کر کے گئے تو مکہ کے قریب پہنچ کر فوج کے ایک حصہ کے کمانڈر کی زبان سے یہ فقرہ نکل گیا کہ آج مکہ والوں کی خیر نہیں۔ آج ہم اُن کے ظلموں کا اُن سے انتقام لیں گے۔ اس پر ابوسفیان نے آگے بڑھ کر شکایت کی کہ اس شخص نے ہمارا دل دکھایا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس وقت اس شخص کو بلوایا اور فرمایا تمہیں معزول کیا جاتا ہے کیونکہ تم نے کفار مکہ کے احساسات کا خیال نہیں رکھا۔ دیکھو ابھی معلوم نہیں کہ مکہ والے کیا روّیہ اختیار کریں گے اور لڑائی کا کیا نتیجہ رونما ہو گا مگر مکہ والوں کے ایک ایسے سردار کے کہنے پر جو ساری عمر مسلمانوں سے لڑتا رہا تھا اور کفار کے لشکر کا کمانڈر رہا تھا آپ نے ایک اسلامی کمانڈر کو معزول کر دیا۔ کیا دنیا کی تمام جنگوں کی تاریخ میں کوئی ایک بھی ایسی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ کمانڈر چھوڑ نائک اور لیس نائک کی مثال بھی نہیں دکھائی جاسکتی کہ اُسے اس لئے سزا دی گئی ہو کہ اُس نے میدان جنگ میں کھڑے ہو کر کہا ہو کہ آج ہم دشمن کی خبر لیں گے۔ اور اُسے اپنے کئے کا مزہ چکھائیں گے۔ مغربی تاریخوں میں ایک مشہور شخص ابراہیم لنکن کا ذکر آتا ہے کہ اُس کے زمانہ میں دو گروہوں میں لڑائی ہوئی۔ ایک کہتا تھا غلامی قائم رہنی چاہیے اور دوسرا گروہ اسے ظلم قرار دے کر مٹانا چاہتا تھا۔ ابراہیم لنکن مٹانے والوں میں سے تھا۔ اُس کی بڑی خوبی یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب دوسرے فریق کو شکست ہوئی اور اُسے فتح تو وہ سر نیچے کئے ہوئے دشمن جرنیل کے گھر پر گیا۔ کہتے ہیں وہ اُس وقت دعا کر رہا تھا۔ افسروں نے اُسے کہا کہ ہمیں بینڈ بجاتے ہوئے جانا چاہیے مگر اُس نے کہا نہیں۔ اس طرح دوسروں کا دل دکھے گا۔ یہ ابراہیم لنکن کی ایک خاص خوبی بیان کی جاتی ہے مگر وہ ایسا شخص تھا جسے ان لوگوں نے کوئی ذاتی دُکھ نہیں دیا تھا۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ پر حملہ آور ہوئے تو اُن لوگوں کی غداری کی وجہ سے حملہ آور ہوئے تھے اور اُن دشمنوں پر حملہ کرنے گئے تھے جنہوں نے قریباً ربع صدی تک مسلمانوں پر ظلم کئے تھے۔ جنہوں نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو مکی زندگی کے تیرہ سال سے ہر منٹ بلکہ ہر سیکنڈ میں مارنے اور ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی اور اس کے بعد سات سال تک دو سو میل دُور جا کر وہ آپ کی تباہی کی کوشش کرتے رہے تھے مگر ان تمام مظالم

کے باوجود جب آپ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ نے اپنے عفو و کرم کا وہ نمونہ دکھایا جس کے مقابلہ میں ابراہیم لنکن کا نمونہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ آپ نے مکّہ والوں کو جمع کیا اور اُن سے پوچھا کہ بتاؤ اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ اگر اُس وقت اُن کے جسموں کا قیمہ بھی کر دیا جاتا۔ تو میں سمجھتا ہوں یہ اُن کے جرموں کے مقابلہ میں کافی سزا نہ تھی۔ مگر جب انہوں نے کہا کہ ہم سے وہی سلوک کیا جائے جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا تو آپ نے فرمایا لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ جاؤ تمہیں معاف کیا جاتا ہے اور تمہیں کوئی ملامت نہیں کی جاتی۔ یہ وہ خاتمہ ہے جو اس عظیم الشان جنگ کا ہوا۔ جو آپؐ کے اور آپ کے دشمنوں کے درمیان بیس سال تک جاری رہی۔ کیا اس نمونہ کے ہوتے ہوئے کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں پر ظلم کیا اور انہیں تلوار کے زور سے اپنے مذہب میں داخل کرنے کی کوشش کی۔ تعصب یا جہالت سے اعتراض کرنا اور بات ہے ورنہ جو شخص حقائق پر غور کرنے کا عادی ہو وہ یہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر دنیا میں اپنے دشمنوں سے نیک سلوک کرنے والا اور کوئی شخص نہیں گذرا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت یوسفؑ نے بھی اپنے بھائیوں کو لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہا تھا۔ مگر یوسفؑ کے سامنے اُن کے اپنے بھائی کھڑے تھے جن کی سفارش کرنے والے اُن کے ماں باپ موجود تھے۔ مگر وہ لوگ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوئے آپ کے عزیزوں اور بھائیوں کے قاتل تھے۔ حضرت حمزہؓ کو قتل کرنے والے کون لوگ تھے۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کا باعث کون لوگ تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی بیٹی کو مارنے والے کون لوگ تھے جبکہ وہ حاملہ تھیں۔ اور خاوند نے اس خیال سے کہ اسلام کی عداوت کی وجہ سے لوگ انہیں مکّہ میں تنگ کرتے ہیں مدینہ روانہ کر دیا تھا مگر کفّار نے راستہ میں انہیں سواری سے گرا دیا جس سے اسقاط ہو گیا۔ اور اسی وجہ سے بعد میں آپ کی وفات ہو گئی۔ حضرت یوسفؑ کے سامنے کون سے جذبات تھے۔ سوائے اس کے کہ اُن کے بھائیوں نے ان کو وطن سے نکال دیا تھا۔ مگر یہاں تو یہ حالت تھی کہ ابو طالب کی روح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ رہی تھی کہ یہ لوگ میرے قاتل ہیں جس نے تیری خاطر سالہا سال اپنی قوم کا مقابلہ کیا۔ عالمِ خیال میں حضرت خدیجہؓ آپ کے سامنے کھڑی کہہ رہی تھیں کہ میں نے اپنا مال و دولت اور اپنا آرام و آسائش سب کچھ آپ کے لئے قربان کر دیا تھا۔ اب یہ لوگ جو میرے قاتل ہیں آپ کے سامنے کھڑے ہیں۔ حضرت حمزہؓ کھڑے کہہ رہے تھے کہ انہی میں سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے میری لاش کی بے حرمتی کی اور میرے جگر اور کلیجہ کو باہر نکال کر پھینک

دیا تھا۔ آپ کی بیٹی آپ کے سامنے کھڑی کہہ رہی تھیں کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں ایک عورت پر ہاتھ اُٹھاتے ہوئے شرم نہ آئی اور ایسی حالت میں مجھ پر حملہ کیا جبکہ میں حاملہ تھی اور مجھے ایسا نقصان پہنچایا جس کے بعد میری وفات ہوگئی۔(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب باب زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

پھر وہ سینکڑوں صحابہؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بچوں سے بھی زیادہ عزیز تھے اور جن میں سے ایسے لوگ بھی تھے کہ جب اُن میں سے ایک کو کفار نے پکڑا اور قتل کرنے لگے تو انہوں نے پوچھا کہ کیا تم یہ پسند نہ کروگے کہ اس وقت تمہاری جگہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں۔ اور تم آرام سے اپنے بیوی بچوں میں بیٹھے ہو۔ اُس نے جواب دیا کہ میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میں آرام سے اپنے گھر میں بیٹھا رہوں۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں مدینہ میں چلتے ہوئے کانٹا تک چبھے۔

(السیرۃ النبویۃ لابن ھشام الجزء الثالث ذکر یوم الرجیع، مقتل ابن الدثنۃ ومثل من وفائہ للرسول)

ایسے عزیز صحابہؓ کو دُکھ دے دے کر مارا گیا۔ اُن کی روحیں اس وقت عالمِ خیال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑی کہہ رہی تھیں کہ یہ لوگ ہمارے قاتل ہیں۔ اب ان سے ہمارا انتقام لیا جائے۔ مگر باوجود ان سب جذبات کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تو یہی کہا کہ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ۔ جاؤ آج تم سے کوئی باز پرس نہیں کی جائے گی۔ اتنے بڑے نمونہ کو دیکھتے ہوئے بھی اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ اسلام اپنے دشمنوں سے رواداری کی تعلیم نہیں دیتا تو اُس سے زیادہ نابینا اور کوئی شخص نہیں ہو سکتا۔

اسلام کی ایسی روادارانہ تعلیم کا ہی یہ اثر تھا کہ اسلامی ملکوں میں اسلامی حکومتوں کے ماتحت غیر اقوام کے لوگ بڑے بڑے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور آپ کے خلفاء کے زمانہ میں اسلام ایک جنگی انتشار کی حالت میں سے گذر رہا تھا اور ابھی ایسی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی جس میں تمام اقوام مل کر بس جانے کا فیصلہ کرتیں اس لئے بعض سیاسی حقوق کامل طور پر غیر مسلموں کو نہیں دیئے جاسکتے تھے مگر باوجود اس کے جہاں جہاں ممکن تھا اُن کو سرداری کے حقوق دیئے گئے ہیں چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مقنا کو جو خط لکھا اُس میں صاف طور پر یہ الفاظ پائے جاتے ہیں کہ لَیْسَ عَلَیْکُمْ اَمِیْرٌ اِلَّا مِنْ اَنْفُسِکُمْ اَوْ مِنْ اَھْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ (مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، معاھدتہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اھل مقنا صفحہ 36) یعنی تمہاری قوم میں سے گورنر یا تم میں سے ہوگا یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں سے ہوگا۔ اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تسلیم فرماتے ہیں کہ کسی علاقہ کا گورنر غیر مسلم بھی ہو سکتا ہے۔

اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے زمانہ میں بھی حالانکہ ابھی ملک میں پُرامن طور پر ساری قومیں نہیں بسی تھیں ان حقوق کو تسلیم کیا جاتا تھا۔ چنانچہ علامہ شبلی اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"حضرت عمرؓ نے صیغۂ جنگ کو جو وسعت دی تھی اس کے لئے کسی قوم اور کسی ملک کی تخصیص نہ تھی۔ یہاں تک کہ مذہب و ملت کی بھی کچھ قید نہ تھی۔ والنٹیئر فوج میں تو ہزاروں مجوسی شامل تھے جن کو مسلمانوں کے برابر مشاہرے ملتے تھے۔ فوجی نظام میں بھی مجوسیوں کا پتہ ملتا ہے۔"

(الفاروق از شبلی نعمانی حصہ دوم صفحہ 251 زیر عنوان صیغۂ فوج)

اسی طرح لکھتے ہیں:

"یونانی اور رومی بہادر بھی فوج میں شامل تھے۔ چنانچہ فتح مصر میں ان میں سے پانسو آدمی شریک جنگ تھے۔ اور جب عمرو بن العاص نے فسطاط آباد کیا تو یہ جداگانہ محلے میں آباد کئے گئے۔ یہودیوں سے بھی یہ سلسلہ خالی نہ تھا چنانچہ مصر کی فتح میں ان میں سے ایک ہزار آدمی اسلامی فوج میں شریک تھے۔"

(الفاروق حصہ دوم صفحہ 251 زیر عنوان صیغۂ فوج)

اسی طرح تاریخ سے ثابت ہے کہ غیر اقوام کے افراد کو جنگی افسر بھی مقرر کیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایرانیوں کو بھی فوجی افسر مقرر کیا گیا۔ اُن میں سے بعض کے نام بھی تاریخ میں موجود ہیں۔ علامہ شبلی نے چھ فوجی افسروں کے نام یہ لکھے ہیں۔

"سیاہؔ۔ خسروؔ۔ شہریارؔ۔ شیرویہؔ۔ شہرویہؔ۔ افرودین" (الفاروق حصہ دوم صفحہ 251 زیر عنوان صیغہ فوج)

ان افسروں کو تنخواہیں بھی سرکاری خزانہ سے ملتی تھیں PAY ROLL میں اُن کا نام تھا۔ چاروں خلفاء کے بعد حضرت معاویہؓ کے متعلق تاریخ سے ثابت ہے کہ اُن کے زمانہ میں ایک عیسائی ابن آثال نامی وزیر خزانہ تھا۔ (تاریخ عرب مصنفہ پروفیسر ہٹی پارٹ iii باب xvii صفحہ 196)

عباسی خلافت کے زمانہ میں باقاعدہ منظم حکومت قائم کی گئی اور مختلف قوموں اور علاقوں کے نمائندوں کی ایک کونسل آف سٹیٹس مقرر کی گئی۔ اس کونسل آف سٹیٹ میں عیسائی یہودی صابی اور زرتشتی بھی شامل تھے۔

(A SHORT HISTORY OF THE SARACENS by Ameer Ali p.274-275)

اس زمانہ میں ایک عیسائی وزیر جنگ بھی مقرر کیا گیا۔ چنانچہ عباسی خلیفہ معتضد کا وزیر جنگ ایک

عیسائی تھا جس کا نام صابی تھا۔ (تاریخ عرب مصنفہ پروفیسر ہٹی ایڈیشن پنجم پارٹ iii صفحہ 355)

عباسی خلیفہ المتقی کا بھی ایک عیسائی وزیر تنوخی نام کا تھا۔

(تاریخ عرب مصنفہ پروفیسر ہٹی ایڈیشن پنجم صفحہ 355)

بولیہہ خاندان کے ایک بادشاہ عضد الدولہ کا بھی ایک عیسائی وزیر نسر بن ہارون تھا۔

(تاریخ عرب مصنفہ پروفیسر ہٹی صفحہ 355)

سپین کی حکومت کے متعلق بھی تاریخ سے ثابت ہے کہ اُس میں قاضی القضاۃ تک کا عہدہ بھی غیر مذاہب والوں کو دیا جاتا تھا۔ چنانچہ عبد الرحمٰن ثالث بادشاہ سپین کے بیٹے الحکم ثانی کے زمانہ میں ایک عیسائی ولید بن خیزران کو قرطبہ میں حکومت کا جج مقرر کیا گیا۔

(تاریخ عرب مصنفہ پروفیسر ہٹی ایڈیشن پنجم پارٹ iii باب xxxviii صفحہ 530-529)

اسی طرح عبد الرحمٰن ثالث بادشاہ سپین کا ایک یہودی وزیر تھا جس کا نام رِبی حسدی شپروت تھا۔

(تاریخ عرب مصنفہ پروفیسر ہٹی پارٹ iii باب xi صفحہ 577)

اسی طرح تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سپین میں بھی ایک کونسل آف سٹیٹ مقرر کی گئی تھی جس کے ممبر غیر مسلم بھی ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک عیسائی GOMEZ SON OF ANTONY بھی اس کونسل آف سٹیٹ کا ممبر تھا اور بادشاہ عبد الرحمٰن ثالث نے ایک بڑی سیاسی میٹنگ میں جس کے لئے تمام سپینش بشپ بلائے گئے تھے اپنی بیماری کی وجہ سے اس کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا اور اُسے ریذیڈنٹ مقرر کیا۔

(A SHORT HISTORY OF THE SARACENS by Ameer Ali chapter xxvi p.448)

اسی طرح سموئل بن عارف ایک عیسائی اسلامی حکومت غرناطہ میں وزیر مقرر کیا گیا۔

(اخبار اندلس جلد سوم صفحہ 146)

سکاٹس کی ”تاریخ اندلس“ میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب بادشاہوں کو کوئی اہم سفارت بھیجنی ہوتی تھی تو وہ مقتدر یہودیوں کو بھیجا کرتے تھے۔

(اخبار اندلس جلد سوم ترجمہ از خلیل الرحمٰن صاحب صفحہ 145)

مصر کی فاطمی حکومت میں بھی غیر مسلموں کو بڑے بڑے درجے دیئے جاتے تھے۔ چنانچہ فاطمی بادشاہ العزیز کے زمانہ میں ایک عیسائی عیسیٰ بن نستور کو وزیر بنایا گیا۔

(تاریخ عرب مصنفہ پروفیسر ہٹی ایڈیشن پنجم باب xiii صفحہ 620)

اسی طرح تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ بہت سے فاطمی بادشاہوں کے وزراء عیسائی اور یہودی ہوا

کرتے تھے۔

(A SHORT HISTORY OF THE SARACENS by Ameer Ali chapter xxvi p.413)

ہندوستان میں سب سے زیادہ بدنام اورنگ زیب ہے لیکن اورنگ زیب کے متعلق تاریخ سے ثابت ہے کہ وہ سیاسی معاملات میں کسی قسم کا امتیاز اور فرق کرنا جائز نہیں سمجھتا تھا۔ اور دلیل یہی دیا کرتا تھا کہ قرآن کریم میں صاف حکم ہے کہ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ (الکافرون:7)

چنانچہ ایک دفعہ اس کے پاس درخواست کی گئی کہ ذِمیوں کو کلیدی عہدوں سے الگ کیا جائے۔ اس پر اُس نے جواب دیا کہ مذہب کا دنیوی معاملات سے کوئی تعلق نہیں اور اس قسم کے معاملات میں تعصّب کو کوئی دخل نہیں ہونا چاہیے۔ پھر اُس نے یہ آیت پڑھی کہ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ۔ پھر اُس نے کہا کہ اگر ہم اس درخواست کو تسلیم کریں تو پھر ہمیں تمام راجوں اور اُن کی رعایا کو قتل کر دینا چاہیے۔

(PREACHING OF ISLAM by Sir THOMAS ARNOLD P.214 ANECDOTS OF AURANG ZEB by Sir JADHNAND CIRCAR P.97-100)

اسی طرح عالمگیر کے ایک فرمان کا یہ فقرہ ہے کہ: ”حکومت کے عہدے قابلیت کے اصول پر دئے جائیں۔ کسی اور خیال کے ماتحت نہ دئے جائیں۔“

(PREACHING OF ISLAM by Sir THOMAS ARNOLD P.214)

پھر مغلیہ حکومت کے متعلق ایک اور مصنف لکھتا ہے کہ:

”بنگال کا حکومتی مذہب اسلام ہے۔ لیکن ملازمتوں کا یہ حال ہے کہ ایک مسلمان کے مقابلہ میں سو ہندو ہے اور تمام سرکاری عہدے اور اعتبار کی جگہیں دونوں قوموں سے چُنی جاتی ہیں۔“

(A NEW ACCOUNT Of THE EAST INDIES Vol.2 p. 14)

اور یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ مغلیہ حکومت نے ہندو کمانڈر انچیف تک مقرر کئے۔ چنانچہ جرنیل مان سنگھ۔ جسونت سنگھ اور جے سنگھ مشہور مثالیں ہیں (اورنگزیب از رشید اختر ندوی)۔ مسلمانوں کا غیر مسلموں سے یہ رواداران سلوک اتنا نمایاں تھا کہ خود غیر مسلموں نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ مشہور عیسائی مؤرخ جرجی زیدان لکھتا ہے۔

”مسلمانوں کے نہایت تیزی کے ساتھ علمی ترقی کرنے کا ایک زبردست سبب یہ بھی تھا کہ خلفاء اسلام ہر قوم اور ہر مذہب کے علماء کے بہت بڑے قدر دان تھے اور ہمیشہ اُن کو انعام و اکرام سے مالا مال کرتے رہتے

تھے۔اُن کے مذہب، اُن کی قومیت اور اُن کے نسب کا کچھ خیال نہیں کرتے تھے اُن میں نصرانی۔یہودی۔صابی۔ سامری اور مجوسی غرض ہر مذہب وملت کے لوگ تھے خلفاء ان کے ساتھ نہایت عزت اور عظمت کا برتاؤ کرتے تھے۔اور غیر مسلموں کو وہی آزادی اور درجہ حاصل تھا جو مسلمان امراء یا حکام کو حاصل ہوتا تھا۔"

(تاریخ التمدن الاسلامی جلد 3 الکتب التی ترجمت فی النھضۃ العباسیۃ زیر عنوان محاسبۃ الخلفاء وللعلماء غیر المسلمین صفحہ 194)

ان حوالہ جات سے یہ امر واضح ہے کہ اسلام غیر مسلموں کے ساتھ کسی قسم کی ناواجب سختی کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ وہ اُن کے تمام حقوق کا خیال رکھتا اور اُن پر ہر قسم کے ظلم کو ناجائز قرار دیتا ہے۔تاریخ میں لکھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک دفعہ ایک مسلمان نے ایک ذمی کافر کو قتل کر دیا۔اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس مسلمان کو قصاص کے طور پر قتل کر دیا جائے اور فرمایا ذمیوں کے حقوق کی حفاظت میرا سب سے اہم فرض ہے۔

(نصب الرأیہ فی تخریج احادیث الھدایہ کتاب الجنایات، باب مایوجب القصاص)

اسی بناء پر امام یوسف نے کتاب الخراج میں اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ عہد نبویؐ اور زمانۂ خلافت راشدہ میں ایک مسلمان اور ذمی کا درجہ تعزیرات اور دیوانی قانون کے لحاظ سے بالکل یکساں تھا۔اور دونوں میں کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا تھا۔(کتاب الخراج صفحہ 108)

ایک دفعہ خیبر کے یہودیوں کی شرارتوں سے تنگ آکر بعض مسلمانوں نے اُن کے کچھ جانور لوٹ لئے اور اُن کے باغوں کے پھل توڑ لئے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہوا تو آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا۔اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ اجازت نہیں دی کہ تم رضامندی حاصل کئے بغیر اہل کتاب کے گھروں میں گھس جاؤ۔اسی طرح تمہارے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ تم اُن کی عورتوں کو مارو یا اُن کے باغوں کے پھل توڑو۔(سنن ابوداؤد کتاب الخراج باب فی تعشیر اھل الذمۃ اذا اختلفوا بالتجارۃ)

ایک دفعہ بعض صحابہؓ نے سفر کی حالت میں جبکہ انہیں بھوک کی تکلیف تھی کفار کی چند بکریاں پکڑ لیں۔اور ذبح کر کے اُن کا گوشت پکانا شروع کر دیا۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے ہانڈیاں اُلٹ دیں اور فرمایا کہ لوٹ کی ہر چیز مردار سے بدتر ہے۔

(بخاری کتاب الجھاد باب مایکرہ من ذبح الابل والغنم فی المغانم)

ایک دفعہ مشرکین کے چند بچے لشکر کی لپٹ میں آکر ہلاک ہو گئے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو

اس کا بڑا صدمہ ہوا۔ اور آپ نے فرمایا۔ مشرکین کے بچے بھی تمہاری طرح کے انسان ہیں۔ اس لئے خبردار بچوں کو قتل مت کرو۔ خبردار بچوں کو قتل مت کرو۔ (مسند احمد بن حنبل جلد 4 صفحہ 302 حدیث الاسود بن سریعؓ)

ممکن ہے اس موقعہ پر کسی شخص کے دل میں سوال پیدا ہو کہ اگر اسلام غیر مذاہب کے متعلق ایسی ہی رواداراانہ تعلیم کا حامل ہے تو پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مدنی زندگی میں کفار کے مقابلہ میں تلوار کیوں اٹھائی۔ سو اس کے متعلق یہ امر یاد رکھنا چاہیے کہ بیشک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے مقابلہ میں تلوار اٹھانی پڑی مگر آپ کا یہ تلوار اٹھانا محض دفاعی طور پر تھا۔ جب عرب کے کفار نے تلوار کے زور سے اسلام کو مٹانا چاہا اور برابر تیرہ سال تک وہ ہر قسم کے مظالم سے کام لے کر مسلمانوں کو اُن کے دین اور مذہب سے منحرف کرنے کی کوشش کرتے رہے تو آخر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اجازت دی کہ اب ان کفار کے مظالم کا جنہوں نے تلوار سے اسلام کو مٹانا چاہا ہے تلوار سے ہی جواب دیا جائے تاکہ دین اور مذہب کی اشاعت کے راستہ میں انہوں نے جو روکیں پیدا کر رکھی ہیں وہ دُور ہوں۔ پس یہ جنگیں محض دفاعی اور دشمن کے ظالمانہ حملوں کے جواب میں تھیں۔ چنانچہ اسلام نے صاف طور پر کہہ دیا کہ تم صرف اُن لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور اُس وقت تک لڑو جب تک وہ تم سے لڑتے ہیں (البقرۃ ع 25) اور دفاع کے طور پر تلوار چلانا ہر گز ناپسندیدہ نہیں ہو سکتا۔ اگر اسلام تلوار سے پھیلا تھا تو تلوار چلانے والے اُس کے پاس کہاں سے آگئے تھے۔ اور جس مذہب نے ایسے تلوار چلانے والے پیدا کر لئے تھے کہ جنہوں نے اپنا سب کچھ قربان کر کے سارے ملک کی مخالفت کے باوجود اس کو دنیا میں قائم کر دیا اُس مذہب کے لئے کیا یہ مشکل تھا کہ وہ دلائل کے زور سے دوسرے لوگوں سے بھی اپنی صداقت منوالیتا۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ وہ عیسائی مستشرق جو اسلام کو تلوار کا مذہب قرار دیتے ہیں خود اُن کی اپنی کتابوں میں کیا تعلیم دی گئی ہے اور اُن کے مسلمہ انبیاء اس اصل کے ماتحت کہاں تک راستباز اور صادق سمجھے جاسکتے ہیں۔ تورات جس کے متعلق مسیحؑ نے کہا تھا کہ اس کا ایک شوشہ تک نہیں بدل سکتا (متی باب 5 آیت 18) اُس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ تعلیم دی گئی تھی کہ اگر کسی شہر کے باشندے تجھ سے لڑائی کریں تو

"تُو اُس کا محاصرہ کر اور جب خداوند تیرا خدا اُسے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر۔ مگر عورتوں اور لڑکوں اور مواشی کو اور جو کچھ اُس شہر میں ہو اُس کا سارا لوٹ اپنے لئے لے اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھے دی ہے کھائیو۔ اسی طرح سے تُو اُن

سب شہروں سے جو تجھ سے بہت دور ہیں اور ان قوموں کے شہروں میں سے نہیں ہیں یہی حال کیجیو۔ لیکن ان قوموں کے شہروں میں جنہیں خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دیتا ہے کسی چیز کو جو سانس لیتی ہے جیتا نہ چھوڑیو۔ بلکہ تُو اُن کو حرم کیجیو۔ حِتّی اور اموری اور کنعانی اور فزاری اور حوّی اور یبوسی کو جیسا کہ خداوند تیرے خدا نے حکم کیا ہے تاکہ وے اپنے سارے کریہہ کاموں کے مطابق جو انہوں نے اپنے معبودوں سے کئے تم کو عمل کرنا نہ سکھائیں اور کہ تم خداوند اپنے خدا کے گنہگار ہو جاؤ۔" (استثنا باب 20 آیت 10 تا 18)

مگر باوجود اس کے کہ موسیٰؑ نے یہ تعلیم دی اور باوجود اس کے کہ یشوع اور داؤد اور دوسرے انبیاء نے اس تعلیم پر متواتر عمل کیا۔ یہودی اور عیسائی ان کو خدا کا نبی سمجھتے ہیں اور تورات کو خدا کی کتاب سمجھتے ہیں۔ موسوی سلسلہ کے آخر میں حضرت مسیحؑ ظاہر ہوئے۔ اُن کی یہ تعلیم تھی کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا۔ بلکہ جو تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اُس کی طرف پھیر دے۔ (متی باب 5 آیت 39)

اس سے استنباط کرتے ہوئے عیسائی قوم یہ دعویٰ کیا کرتی ہے کہ مسیحؑ نے لڑائی سے قوموں کو منع کیا ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ انجیل میں اس تعلیم کے خلاف اور تعلیمیں بھی آئی ہیں۔ مثلاً انجیل میں لکھا ہے:۔

"یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا ہوں۔ صلح کروانے نہیں بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں۔"
(متی باب 10 آیت 34)

اسی طرح لکھا ہے کہ اُس نے کہا:

"جس کے پاس تلوار نہیں اپنے کپڑے بیچ کر تلوار خریدے۔" (لوقا باب 22 آیت 36)

یہ آخری دو تعلیمیں پہلی تعلیم کے بالکل متضاد ہیں اگر مسیح جنگ کروانے کے لئے آیا تھا تو پھر ایک گال پر تھپڑ کھا کر دوسرا گال پھیر دینے کے کیا معنے تھے؟ پس یا تو یہ دونوں قسم کی تعلیمیں متضاد ہیں یا ان دونوں تعلیموں میں سے کسی ایک کو اس کے ظاہر سے پھرا کر اُس کی کوئی تاویل کرنی پڑے گی۔ ہم اس بحث میں نہیں پڑتے کہ ایک گال پر تھپڑ کھا کر دوسرا گال پھیر دینے کی تعلیم قابلِ عمل ہے یا نہیں۔ سوال یہ ہے کہ عیسائی دنیا نے اپنی ساری تاریخ میں جنگ سے دریغ نہیں کیا۔ جب عیسائیت شروع شروع میں روما میں غالب تھی تب بھی اُس نے غیر قوموں سے جنگیں کیں۔ دفاعی ہی نہیں بلکہ جارحانہ بھی۔ اور اب جبکہ عیسائیت دنیا میں غالب آگئی ہے اب بھی وہ جنگیں کرتی ہے۔ دفاعی ہی نہیں بلکہ جارحانہ بھی۔ صرف فرق یہ ہے کہ جنگ کرنے والوں میں سے جو فریق جیت جاتا ہے۔ اس کے متعلق کہہ دیا جاتا ہے کہ وہ کرسچن سویلزیشن کا پابند

تھا۔ کرسچن سویلزیشن اس زمانہ میں صرف غالب اور فاتح کے طریق کار کا نام ہے ورنہ اس لفظ کے حقیقی معنے اب کوئی باقی نہیں رہے۔ جب دو قومیں آپس میں لڑتی ہیں تو ہر قوم اس بات کی مدعی ہوتی ہے کہ وہ کرسچن سویلزیشن کی تائید کر رہی ہے اور جب کوئی قوم جیت جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ اس جیتی ہوئی قوم کا طریقِ کار ہی کرسچن سویلزیشن ہے۔ حالانکہ کرسچن سویلزیشن کوئی چیز ہی نہیں ایک غلط لفظ ہے جس کے کوئی بھی معنے نہیں۔ مگر بہر حال مسیح کے زمانہ سے آج تک عیسائی دنیا جنگ کرتی چلی آرہی ہے اور قرائن بتاتے ہیں کہ جنگ کرتی چلی جائے گی۔ پس جہاں تک مسیحی دنیا کے فیصلہ کا تعلق ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ”تم اپنے کپڑے بیچ کر تلوار خریدو۔“ اور یہ کہ ”میں صلح کرانے کے لئے نہیں بلکہ تلوار چلانے کے لئے آیا ہوں۔“ یہ اصل قانون ہے اور ”تو ایک گال پر تھپڑ کھا کر دوسرا بھی پھیر دے۔“ یہ قانون یا تو ابتدائی عیسائی دنیا کی کمزوری کے وقت مصلحتاً اختیار کیا گیا تھا اور یا پھر عیسائی افراد کے باہمی تعلقات کی حد تک یہ قانون محدود ہے حکومتوں اور قوموں پر یہ قانون چسپاں نہیں ہوتا۔ چنانچہ بعض پادری اس کی یہی تاویل کرتے ہیں۔ دوسرے اگر یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ مسیحؑ کی اصل تعلیم جنگ کی نہیں تھی بلکہ صلح ہی کی تھی تب بھی اس تعلیم سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ جو شخص اس تعلیم کے خلاف عمل کرتا ہے وہ خدا کا برگزیدہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ عیسائی دنیا آج تک موسیٰ اور یشوع اور داؤد کو خدا کا برگزیدہ قرار دیتی ہے۔ بلکہ خود عیسائیت کے زمانہ کے بعض قومی ہیرو جنہوں نے اپنی قوم کے لئے جان کو خطرہ میں ڈال کر دشمنوں سے جنگیں کی تھیں انہیں مختلف زمانہ کے پوپوں کے فتویٰ کے مطابق آج سینٹ کہا جاتا ہے۔

لیکن اسلام ان دونوں قسم کی تعلیموں کے درمیان درمیان تعلیم دیتا ہے۔ وہ نہ تو موسیٰؑ کی طرح یہ کہتا ہے کہ تُو جارحانہ طور پر کسی ملک میں گھس جا اور اس قوم کو تہ تیغ کر دے اور نہ وہ اس زمانہ کی بگڑی ہوئی مسیحیت کی طرح بآنگِ بلند تو یہ کہتا ہے کہ ”اگر کوئی تیرے ایک گال پر تھپڑ مارے تو تُو اپنا دوسرا گال بھی اُس کی طرف پھیر دے“ اور اپنے ساتھیوں کے کان میں یہ کہتا ہے کہ تم اپنے کپڑے بیچ کر بھی تلوار خرید لو۔ بلکہ اسلام وہ تعلیم پیش کرتا ہے جو فطرت کے عین مطابق ہے اور جو امن اور صلح کے قیام کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ تو کسی پر حملہ نہ کر۔ لیکن اگر کوئی شخص تجھ پر حملہ کرے اور اُس کا مقابلہ نہ کرنا فتنہ کے بڑھانے کا موجب نظر آئے اور راستی اور امن اُس سے مٹتا ہو۔ تب تُو اُس حملے کا جواب دے۔ اب بتاؤ کہ کیا یہ ظالمانہ تعلیم ہے یا یہی وہ تعلیم ہے جس پر عمل کر کے دنیا میں امن اور صلح قائم ہو سکتی ہے۔ اس تعلیم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

عمل کیا۔ آپ مکہ میں برابر تکلیفیں اُٹھاتے رہے لیکن آپ نے لڑائی کی طرح نہ ڈالی۔ جب مدینہ میں آپؐ ہجرت کر کے تشریف لے گئے اور دشمن نے وہاں بھی آپ کا پیچھا کیا تب خدا تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ چونکہ دشمن جارحانہ کارروائی کر رہا ہے اور اسلام کو مٹانا چاہتا ہے۔ اس لئے راستی اور صداقت کے قیام کے لئے آپ اس کا مقابلہ کریں۔ مگر ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے وضاحتًا ہدایت دے دی کہ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔ (البقرہ:191) یعنی اُن لوگوں سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں محض اللہ تعالیٰ کی خاطر جس میں تمہارے اپنے نفس کا غصہ اور نفس کی ملونی شامل نہ ہو جنگ کرو۔ اور یاد رکھو کہ جنگ میں بھی کوئی ظالمانہ فعل نہ کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر فرمایا قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ یَّنْتَھُوْا یُغْفَرْ لَھُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَ اِنْ یَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّ یَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ ۚ فَاِنِ انْتَھَوْا فَاِنَّ اللّٰہَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔ (الانفال:40،39) یعنی اے محمد رسول اللہ اگر یہ لوگ اب بھی لڑائی سے باز آجائیں تو جو کچھ وہ پہلے کر چکے ہیں انہیں معاف کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر وہ لڑائی سے باز نہ آئیں اور بار بار حملے کریں تو پہلے انبیاء کے دشمنوں کے انجام ان کے سامنے ہیں۔ ان کا انجام بھی وہی ہو گا اور اے مسلمانو! تم اس وقت تک جنگ جاری رکھو جب تک کہ دنیا سے مذہب کی خاطر دُکھ دینا مٹ نہ جائے۔ اور دین کو کلی طور پر خدا تعالیٰ کے سپرد نہ کر دیا جائے۔ پھر اگر یہ لوگ ان باتوں سے باز آجائیں تو محض اس وجہ سے اُن سے جنگ نہ کرو کہ وہ ایک غلط دین کے پیرو ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اُن کے عمل کو جانتا ہے وہ خود جیسا چاہے گا ان سے معاملہ کرے گا۔ تمہیں اُن کے غلط دین کی وجہ سے اُن کے کاموں میں دخل دینے کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ پھر فرمایا یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَبَیَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰہِ مَغَانِمُ کَثِیْرَۃٌ ؕ کَذٰلِکَ کُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ فَتَبَیَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا۔ (النساء:95) یعنی اے مومنو! جب تم خدا کی خاطر لڑائی کرنے کے لئے باہر نکلو تو اس بات کی اچھی طرح تحقیقات کر لیا کرو کہ تمہارے دشمن پر حجت تمام ہو چکی ہے اور وہ بہر حال لڑائی پر آمادہ ہے۔ اور اگر کوئی شخص تمہیں کہے کہ میں تو صلح کرتا ہوں تو یہ مت کہو کہ تُو دھوکا دیتا ہے۔ اور ہمیں امید نہیں کہ ہم تجھ سے امن میں رہیں گے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو پھر تم خدا کی راہ میں لڑنے والے نہیں سمجھے جاؤ گے بلکہ تم دنیا طلب قرار پاؤ گے۔ پس ایسا مت کرو کیونکہ جس طرح خدا کے پاس دین ہے اسی طرح خدا کے پاس دنیا کا بھی بہت سا سامان ہے۔ تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ کسی شخص کا مار دینا اصل مقصود نہیں۔ تمہیں

کیا معلوم ہے کہ کل کو وہ ہدایت پا جائے۔ تم بھی تو پہلے دین اسلام سے باہر تھے پھر اللہ تعالیٰ نے احسان کر کے تمہیں اس دین کے اختیار کرنے کی توفیق دی۔ پس مارنے میں جلدی مت کرو بلکہ حقیقتِ حال کی تحقیق کیا کرو۔ اور یاد رکھو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف ہے۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جب لڑائی شروع ہو جائے تب بھی اس بات کی اچھی طرح تحقیق کرنی چاہیے کہ دشمن کا ارادہ جارحانہ لڑائی کا ہے یا نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ دشمن جارحانہ لڑائی کا ارادہ نہ کرتا ہو بلکہ وہ خود کسی خوف کے ماتحت فوجی تیاری کر رہا ہو۔ پس پہلے اچھی طرح تحقیقات کر لیا کرو کہ دشمن کا ارادہ جارحانہ جنگ کا تھا تب اس کے سامنے مقابلہ کے لئے آؤ۔ اور اگر وہ یہ کہے کہ میرا ارادہ تو جنگ کرنے کا نہیں تھا میں تو صرف خوف کی وجہ سے تیاری کر رہا تھا تو تمہیں یہ نہیں کہنا چاہیے کہ نہیں تمہاری جنگی تیاری بتاتی ہے کہ تم ہم پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ ہم کس طرح سمجھیں کہ ہم تم سے مامون اور محفوظ ہیں بلکہ اس کی بات کو قبول کر لو اور یہ سمجھو کہ اگر پہلے اس کا ایسا ارادہ بھی تھا تو ممکن ہے بعد میں اُس میں تبدیلی پیدا ہو گئی ہو۔ کیونکہ تم خود اس بات کے زندہ گواہ ہو کہ دلوں میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ تم بھی پہلے اسلام کے دشمن تھے مگر اب تم اسلام کے سپاہی ہو۔

اس قسم کے واضح احکام کی موجودگی میں اسلام پر یہ الزام لگانا کہ وہ غیر مسلموں سے روادارانہ سلوک کا حامی نہیں اور یہ کہ وہ تلوار کے زور سے دوسروں کو اپنے مذہب میں داخل کرنا جائز سمجھتا ہے دشمنانِ اسلام کی انتہائی جسارت اور اُن کی ناانصافی کا بدترین مظاہرہ ہے۔"

(تفسیر کبیر جلد 9 صفحہ 143 تا 162 ایڈیشن 2023ء)

نجران کے عیسائیوں کو مسجد نبوی میں عبادت کی اجازت مرحمت فرمانا:

حضرت مصلح موعود نے 17 فروری 1936ء کو کلارنی ہوٹل کراچی میں ایک عشائیہ سے خطاب میں رسول کریم ﷺ کی سیرت کے حوالہ سے فرمایا:۔

"نجران جو یمن کا ایک حصہ ہے وہاں کے عیسائیوں کا ایک وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مذہبی بحث کرنے کیلئے حاضر ہوا۔ گفتگو لمبی ہو گئی۔ ایک دن (جو غالباً اتوار کا دن ہو گا کیونکہ تین دن کی گفتگو میں صرف ایک دن نماز کا ذکر آتا ہے) عصر کے وقت انہوں نے اس خیال کا اظہار کر کے بحث کو ختم کرنا چاہا کہ ہماری نماز کا وقت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ مسجد خدا کا گھر ہے تم اسی میں عبادت کر لو۔ چنانچہ اُسی جگہ اسی مسجد میں رسول کریم ﷺ ہے کے سامنے ان لوگوں نے اپنی عبادت کر لی۔

(السیرۃ الحلبیۃ الجزء الثالث باب یذکر فیہ ما یتعلق بالوفود صفحہ 385، 386 مطبوعہ بیروت 2012ء الطبعۃ الاولیٰ)

اگر ہمارے آنحضرت ﷺ اخلاق کا یہ نمونہ دکھاتے ہیں اور پھر ایسے موقع پر جہاں توحید اور شرک کا اختلاف ہے تو اس میں ہمارے لئے ایک نہایت قیمتی سبق چھوڑتے ہیں کہ ہمیں مذہبی اختلاف کی وجہ سے آپس کی رواداری کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔"(الفضل 26 فروری 1936ء)

(سیرت النبی ﷺ جلد چہارم صفحہ 232)

7 اپریل 1934ء کو حضرت مصلح موعودؓ نے فیصل آباد میں بیت الذکر کا افتتاح کرتے ہوئے بیان فرمایا:

"دوسرے لوگ مساجد بناتے ہیں مگر باہر بورڈ لگا دیتے ہیں کہ یہاں کوئی شیعہ، احمدی، وہابی نہ آئے مگر وہ دھوکا خوردہ ہیں۔ وہ خدا کے نام پر مسجد بناتے ہیں مگر پھر اس پر اپنا قبضہ کر لیتے ہیں۔ تم بھی اگر ایسا ہی کرو گے تو خدا کے فضل کو حاصل نہیں کر سکو گے۔ تمہارا بورڈ یہی ہونا چاہئے کہ یہ خدا کا گھر ہے جس کا جی چاہے یہاں آ کر اس کا نام لے سکتا ہے۔ خواہ وہ کسی رنگ میں عبادت کرے ہم خوش ہوں گے۔ رسول کریم ﷺ کے پاس عیسائیوں کا ایک وفد آیا اور کچھ مذہبی مباحثہ کیا۔ اتنے میں ان کی عبادت کا وقت آ گیا۔ عیسائیوں میں بعض مشرک ہوتے ہیں اور بعض موحد بھی۔ گو وہ بعض مسلمانوں کی طرح حضرت مسیح کی تعظیم ارباب کی حد تک کرتے ہیں مگر پھر بھی خدا کو ایک مانتے ہیں۔ اس وفد کے عیسائی بت پرست تھے اور انہوں نے سونے کی صلیبیں اپنے پاس رکھی ہوئی تھیں جنہیں وہ پوجتے تھے۔ انہوں نے رسول کریم ﷺ سے کہا کہ ہم باہر جا کر اپنی عبادت کر آئیں مگر آپ نے فرمایا کہ یہ مسجد عبادت کے لئے ہی ہے آپ بے شک یہاں اپنی طرز پر عبادت کریں۔ چنانچہ انہوں نے وہیں اپنی صلیبیں رکھیں اور اپنے طریق پر عبادت کی۔"

(الفضل 15 اپریل 1934ء)(سیرت النبی ﷺ جلد چہارم صفحہ 126)

ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان آپس میں صلح کیسے ممکن ہے؟ اس کے بارہ میں مختلف پہلو حضرت مصلح موعودؓ نے بیان فرمائے ہیں۔ اسی ضمن میں اس بات کا ذکر بھی فرمایا کہ:

"اتفاق و اتحاد کا موجب مذہبی رواداری ہوتی ہے مگر ہندو مسلمانوں میں یہ بالکل مفقود ہے۔ ہندوؤں کا دسہرہ ہو تو مسلمان لڑنے جھگڑنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور مسلمانوں کا محرم ہو تو ہندو فساد پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایسی باتیں ہیں کہ جن پر ایک دوسرے کو معترض ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ دسہرہ کو خواہ مسلمان کیسا ہی سمجھیں لیکن اس پر ناراض ہونے کی ان کے لئے کوئی وجہ نہیں ہے۔ اسی طرح ہندوؤں کے نزدیک محرم کیسا ہی ہو اُن کو چڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے اپنے طور پر جو کسی کی مرضی ہے

کرے۔اس میں دخل دینا بالکل فضول ہے۔کیونکہ دسہرہ کی وجہ سے مسلمانوں کے مذہبی خیالات کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور محرم کی وجہ سے ہندوؤں کے اعتقادات کو کوئی صدمہ نہیں پہنچتا۔لیکن جب تک مذہب کے معاملہ میں رواداری نہ پیدا ہو اُس وقت تک اس قسم کے فسادات دور نہیں ہو سکتے۔مسلمانوں کو اس کا خاص حکم دیا گیا ہے۔چنانچہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی مسجدوں میں آکر عبادت کرے تو اسے کرنے دو۔پھر اس کے متعلق آپ کا عمل موجود ہے۔نجران سے عیسائیوں کا ایک وفد آپ کے پاس آیا۔اس نے آپ سے مسجد میں باتیں کیں اور جب ان کی عبادت کا وقت آیا تو وہ مسجد میں ہی عبادت کرنے لگے۔اس پر بعض لوگوں نے ان کو روکنا چاہا لیکن رسول کریم ﷺ نے فرمایا روکو نہیں کرنے دو۔چنانچہ انہوں نے مسجد میں ہی اپنے طریق پر عبادت کی۔

اب کسی دوسرے مذہب کی عبادت گاہ میں جا کر عبادت کرنا تو الگ رہا پاس سے گزرنے پر تو لڑائی جھگڑے نہیں ہونے چاہئیں جو محض ضد اور عداوت کی وجہ سے ہوتے ہیں۔اسلام اس سے منع کرتا ہے اور اپنے پیروؤں کو رواداری کی تعلیم دیتا اور دوسروں کے مذہبی جذبات کو دبانے سے روکتا ہے۔"

(سیرت النبی ﷺ جلد اول صفحہ 490،491)

1927ء میں ہندوؤں کی طرف سے "رنگیلا رسول" کتاب اور رسالہ ورتمان شائع کر کے رسول کریم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کی انتہا کی گئی۔جن کے جواب میں حضرت مصلح موعودؓ نے مسلمانوں کی کئی طریقوں سے راہنمائی فرمائی۔ان اہم امور میں یہ بات بھی شامل تھی کہ ملک بھر میں رسول کریم ﷺ کی سیرت کے حوالہ سے جلسے منعقد کئے جائیں جن میں مسلم اور غیر مسلم مقررین ایک دن تقاریر کریں۔چنانچہ 17جون 1928ء کو ملک بھر میں جلسہ ہائے سیرۃ النبیؐ ہوئے۔17جون کو قادیان میں بھی ایک بڑا جلسہ منعقد ہوا۔حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے درج ذیل خطاب فرمایا:

"آج کا جلسہ اس غرض کے لئے منعقد کیا گیا ہے کہ ہمارے ملک میں وہ رواداری اور وہ ایک دوسرے کے احساسات کا ادب و احترام پیدا ہو جس کے بغیر نہ خدا مل سکتا ہے اور نہ دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے۔ہمیں جو تعلیم دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ہم تمام ادیان کے بزرگوں اور ہادیوں کا ادب و احترام کریں۔تمام وہ لوگ جن کو ان کی قومیں خدا کی طرف سے کھڑا کیا گیا تسلیم کرتی ہیں۔تمام وہ لوگ جن کے متبعین کی جماعتیں پائی جاتی ہیں جو انہیں خدا کا مرسل اور مامور، اوتار یا بھیجا ہوا تسلیم کرتی ہیں ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی عزت کریں۔ان کی ہتک سے اجتناب کریں اور اس تعلیم کے ماتحت ہم ہمیشہ ہی مختلف اقوام کے بزرگوں اور ان کے مذہب کے

بانیوں کا ادب و احترام کرتے رہے ہیں۔ ہم یہودیوں کے بزرگوں کا ادب کرتے ہیں۔ ہم عیسائیوں کے بزرگوں کا احترام کرتے ہیں۔ ہم چینیوں کے بزرگوں کو احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ہم جاپانیوں کے بزرگوں کا ادب کرتے اور ہم اپنے ابنائے وطن ہندوؤں کے بزرگوں کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت کرتے ہیں اپنی کسی نفسانیت کی وجہ سے نہیں کرتے، کسی ذاتی فائدہ اور غرض کے لئے نہیں کرتے بلکہ واقعہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے اور دنیا کے لئے مامور سمجھ کر کرتے ہیں۔ اور ہم سمجھتے ہیں دنیا کی ہر قوم اور ہر مذہب کے لوگ جب سنجیدگی سے اس مسئلہ پر غور کریں گے تو انہیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ دنیا کا قیام خواہ روحانی لحاظ سے ہو اور خواہ جسمانی لحاظ سے اسی پر ہے کہ اپنے خیالات اور اپنی زبانوں پر قابو رکھا جائے اور ایسے رنگ میں کلام کیا جائے کہ تفرقہ اور شقاق نہ پیدا ہو۔.....

کسی کی خوبی کا نظر آنا بینائی پر دلالت کرتا ہے۔ اور خوبی کو نہ دیکھ سکنا نابینائی کی علامت ہوتی ہے اور اسلام ہمیں حکم دیتا ہے کہ کسی کی خوبی کا انکار نہ کرو اور دوسرے مذاہب کے بزرگوں کی تعظیم و تکریم کرو۔"
(سیرت النبی ﷺ جلد سوم صفحہ 27 تا 29)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۔(البقرۃ:115)

ترجمہ: اور اس (شخص) سے بڑھ کر کون ظالم (ہو سکتا) ہے جس نے اللہ کی مساجد سے (لوگوں) کو روکا کہ ان میں اس کا نام لیا جائے اور ان کی ویرانی کے درپے ہو گیا۔ ان (لوگوں) کے لئے مناسب نہ تھا کہ ان (مساجد) کے اندر داخل ہوتے مگر (خدا سے) ڈرتے ہوئے۔ ان کے لئے دنیا میں (بھی) رسوائی ہے اور آخرت میں (بھی) ان کے لئے بڑا عذاب (مقدر) ہے۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص مساجد میں اللہ تعالیٰ کا نام نہ لینے دے اور اُس کی عبادت سے لوگوں کو روکے اور اس طرح اُن کو ویران کرنے کی کوشش کرے وہ سب سے زیادہ ظالم ہے۔ یہ کیسی اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے جو اسلام نے پیش کی ہے۔ اِسے سامنے رکھ لو دنیا کا کوئی مذہب اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گا۔ مسلمانوں کا عمل جانے دو بلکہ اس حکم اور تعلیم کو دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کسی کا حق نہیں کہ ذکر الٰہی سے کسی کو روکے۔ اگر کوئی شخص مسجد میں جا کر ذکر الٰہی کرنا چاہے یا اپنے رنگ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالانا چاہے تو اس سے روکنا

بالکل ناجائز ہے۔ کوئی ہندو، سکھ یا عیسائی آجائے اور مسلمانوں کی مسجد میں اپنے رنگ میں عبادت الٰہی کرنا چاہے تو کسی مسلمان کو اُسے روکنے کا حق نہیں۔ اگر کوئی کہے کہ باجا بجانا اور ناچنا اُن کی عبادت میں شامل ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ کام وہ باہر کر لیں۔ جتنا حصہ ذکر الٰہی کا ہے وہ مسجد میں آکر ادا کر لیں۔

اِس آیت میں ان تمام قسم کی زیادتیوں اور تعدّیوں کو جو ایک مذہب کے پیرو دوسرے مذاہب کے عبادت خانوں یا عبادات کے متعلق کرتے ہیں یک قلم موقوف کر دیا ہے اور سب مذاہب کے پیرؤوں کو اس طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ وہ عبادت خانوں اور عبادتوں کے متعلق اپنے دلوں اور اپنے حوصلوں کو وسیع کریں کیونکہ اُن کا موجودہ طریق عمل نہایت ظالمانہ اور جابرانہ ہے جس کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں ہو سکتا۔ وہ ظالمانہ طریق جو عبادت خانوں یا عبادات کے متعلق زمانہ نزولِ قرآن کے وقت برتے جاتے تھے یا اب بھی برتے جاتے ہیں اور جن سے قرآن کریم منع فرماتا ہے یہ ہیں:۔

اوّل۔ اگر ایک گروہ دوسرے گروہ پر فتح پاتا تو اُس کے عبادت خانوں کو گرا دیتا یا انہیں مقفّل کر دیتا یا اس مذہب کے پیرؤوں کو اُس میں عبادت نہ کرنے دیتا۔

دوم۔ ہر مذہب کے پیرو اپنی اپنی عبادت گاہوں میں دوسرے مذاہب کے لوگوں کو عبادت کرنے سے روکتے اور ان میں دوسروں کو داخل ہونے تک کی بھی اجازت نہ دیتے۔ یہ باتیں آنحضرت ﷺ کے وقت میں بڑے زور سے رائج تھیں اور مختلف مذاہب کے پیرؤوں کی عادت میں داخل ہو گئی تھیں اور اُس زمانہ میں یہ باتیں عیب نہیں بلکہ حق اور ضروری سمجھی جاتی تھیں اور تاریخ عالم بتاتی ہے کہ یہ اس زمانہ کی ایجاد نہ تھی بلکہ ہمیشہ سے دنیا انہی اُمور کی خوگر چلی آتی تھی۔ اِس لئے کسی انسان کی طبیعت اِن سے گھبراتی نہ تھی بلکہ اس زمانہ میں بھی ایک یا دوسری شکل میں یہ سب باتیں دنیا میں رائج ہیں اور گو علوم کی ترقی نے عبادت خانوں کو گرا دینا یا ان کو بند کر دینا بڑی حد تک دُور کر دیا ہے لیکن اپنی عبادت گاہوں میں دوسرے مذاہب کے پیرؤوں کو عبادت کرنے کی اجازت نہ دینا تو اس زمانہ میں بھی ایک عام بات ہے۔ ایک مسیحی گرجا میں ایک مسلمان کو اور ایک یہودی گرجا میں ایک مسیحی کو اور ایک مندر میں ایک مسیحی کو اور ایک پارسی صومعہ میں ایک ہندو کو اپنی عبادت کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دی جاتی اور اگر کوئی ایسا کرے تو یورپ کے علوم وفنون سے آگاہ ممالک سے لے کر افریقہ کے نیم وحشی قبائل تک کے لوگ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ بلکہ بعض تو اپنے عبادت خانوں میں دوسروں کو داخل ہونے کی اجازت بھی نہیں دیتے۔ قرآن کریم اس ظالمانہ کارروائی سے روکتا ہے اور بتاتا ہے کہ گو خیالات متفرق ہیں لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اُس کو اُس شہنشاہِ حقیقی کے نام لینے اور اُس

کی عبادت کرنے سے روکنا یا مساجد میں کسی کو نہ آنے دینا اور اِس طرح اُن کو ویران کرنے کی کوشش کرنا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا بلکہ ایک بہت بڑا ظلم ہے۔

ہر ایک مذہب کے پیرؤوں کو خواہ وہ مفتوح ہوں یا فاتح مساجد کے استعمال کی کامل آزادی ہونی چاہیے۔ اور اگر ایک مذہب کے عبادت خانہ میں کسی دوسرے مذہب کا کوئی انسان اپنے طریق پر خدا تعالیٰ کا نام لینا چاہے اور اُس کی عبادت کرنا چاہے تو اس کو روکنا نہیں چاہیے۔ کیونکہ مساجد ایک ایسا مقام ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ پس اِن کے بارے میں انسان کو ڈر کر کام کرنا چاہیے اور آپس کے اختلافات کو اُن تک وسیع نہیں کرنا چاہیے ورنہ جو لوگ اس بات کی پرواہ نہیں کریں گے اور اس عمل میں غلوّ سے کام لیں گے اِس دنیا میں بھی ان کو عذاب دیا جائے گا اور آخرت میں بھی وہ سزا سے بچ نہیں سکتے۔

یہ وہ تعلیم ہے جو قرآن کریم نے مختلف مذاہب کے معبدوں کے احترام اور اُن کی عبادت کے متعلق دی ہے۔ کسی اور مذہب کی تعلیم کو اس سے ملا کر دیکھو اور مقابلہ کرو کہ وہ کونسی تعلیم ہے جو ایک طرف تو عقل اور فہم کے مطابق ہے اور دوسری طرف دنیا میں امن قائم کرنے والی ہے۔ اس تعلیم کے ہوتے ہوئے اسلام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ ایک متعصب مذہب ہے۔ مگر یہ اعتراض تبھی قابلِ قبول ہو سکتا ہے جب اس سے بڑھ کر عمدہ اور لطیف تعلیم دنیا میں کسی اور مذہب کی طرف سے پیش کی جائے۔ ورنہ زبانی اعتراض تو ہر مذہب کے لوگ دوسروں پر کر سکتے ہیں۔ دعویٰ بِلا دلیل بجائے نفع دینے کے عقلمندوں کی نظر میں انسان کو ذلیل کر دیتا ہے۔

ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ وسعتِ حوصلہ جس کی تعلیم اسلام نے دی ہے۔ اس کا مقابلہ دنیا کا کوئی مذہب نہیں کر سکتا۔ چنانچہ سب سے پہلا انسان جس نے اِس پر عمل کیا وہ ہمارے آنحضرت ﷺ ہیں جنہوں نے نجران کے مسیحیوں کو اپنی مسجد میں گرجا کرنے کی اجازت دے دی۔

زادالمعاد میں لکھا ہے:

لَمَّا قَدِمَ وَفْدُ نَجْرَانَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ دَخَلُوْا عَلَیْہِ مَسْجِدَہٗ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْعَصْرِ فَحَانَتْ صَلَاتُھُمْ فَقَامُوْا أَیُصَلُّوْنَ فِیْ مَسْجِدِہٖ فَأَرَادَ النَّاسُ مَنْعَھُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ "دَعُوْھُمْ" فَاسْتَقْبَلُوا الْمَشْرِقَ فَصَلُّوْا صَلَاتَھُمْ (زادالمعاد، فصل فی قدوم وفد نجران علیہ صلی اللہ علیہ وسلم)

یعنی جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس نجران کا عیسائی وفد آیا۔ تو وہ لوگ عصر کے بعد مسجد نبویؐ میں آئے اور گفتگو کرتے رہے۔ گفتگو کرتے کرتے اُن کی عبادت کا وقت آ گیا (غالباً وہ اتوار کا دن ہو گا) چنانچہ وہ وہیں مسجد میں اپنے طریق کے مطابق عبادت کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے چاہا کہ وہ

انہیں روک دیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" ایسا مت کرو"۔ چنانچہ انہوں نے اُسی جگہ مشرق کی طرف منہ کیا اور اپنے طریق کے مطابق عبادت کر لی۔

پس مسجدوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روکنے کا کسی کو حق نہیں۔ اگر تمام اقوام اس بات پر عمل کرنے لگ جائیں تو تمام باہمی جھگڑے ختم ہو جائیں۔ اگر ہر قوم اپنے معبد میں دوسروں کو آنے اور وہاں عبادت اور ذکر الٰہی کرنے کی اجازت دے دے تو کبھی آپس میں مناقشت اور جھگڑا پیدا نہ ہو اور دنیا میں ہر طرف امن قائم ہو جائے۔ مسلمانوں کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے اعمال پر غور کریں اور سوچیں کہ کیا وہ اس تعلیم پر پوری طرح عمل کرتے ہیں جو قرآن کریم دیتا ہے۔ اور جس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا یا اس کے خلاف اپنے خود ساختہ اصول پر عمل کر رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ آیت غیر احمدیوں اور ہم میں ایک فیصلہ کن آیت ہے۔

قرآن کریم میں مَنْ اَظْلَمُ کے الفاظ تین قسم کے لوگوں کے لئے آئے ہیں۔

اول جھوٹے مدعیان نبوت کے لئے۔

دوم سچے نبی کو جھوٹا کہنے والے کے لئے۔ جیسا کہ آتا ہے۔ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ۔ (یونس:18) کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر افترا کرتا ہے یا سچے نبی کے الہام کو جھٹلاتا ہے اس سے زیادہ ظالم اور کون ہو سکتا ہے۔

سوم۔ مساجد میں عبادت الٰہی سے روکنے والوں کے متعلق جیسا کہ اس جگہ ہے۔

اَب سوال یہ ہے کہ آیا بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے جھوٹا دعویٰ نبوت کیا ہے یا غیر احمدی ایک سچے نبی کے منکر ہیں؟ بہر حال دونوں میں سے ایک مَنْ اَظْلَمُ میں ضرور شامل ہے۔ اِس سوال کو یہ تیسری آیت بالکل حل کر دیتی ہے کیونکہ جہاں جماعت احمدیہ میں ایسی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی کہ اس نے اپنی مساجد میں کسی کو عبادت کرنے سے روکا ہو وہاں مسلمانوں میں ایسی کئی مثالیں پائی جاتی ہیں کہ انہوں نے جماعت احمدیہ کے افراد کو اپنی مسجدوں میں نمازیں پڑھنے سے روکا اور اُن پر سختیاں کیں۔ پس اس آیت نے ثابت کر دیا کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے مخالفین اپنے عمل کے لحاظ سے اس گروہ میں شامل ہیں جس کے متعلق مَنْ اَظْلَمُ کے الفاظ آتے ہیں اور جو خدائی منشاء کے خلاف قدم اٹھاتے ہیں۔

اُولٰٓئِکَ مَا کَانَ لَھُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْھَآ اِلَّا خَآئِفِیْنَ ۔ فرماتا ہے کہ کیسے تعجب کی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کا گھر ہو اور پھر یہ ذلیل لڑائیاں ہوں۔ حالانکہ اُن کے لئے یہ ہرگز مناسب نہ تھا کہ اس قسم کی ظالمانہ حرکت

کرتے۔ یا ان کا کوئی حق نہ تھا کہ خدا تعالیٰ کے گھر میں عبادت کرنے سے دوسروں کو روکتے۔ ان کو تو چاہیے تھا کہ خدا تعالیٰ کے گھر جاتے وقت خوف سے اُن کا دل لرزتا اور اس قسم کے فسادات پر کمربستہ نہ ہوتے۔

لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ فرماتا ہے چونکہ یہ لوگ ہمارے گھر کو برباد کرنا چاہتے ہیں اس لئے ہم بھی ان کے گھروں کو برباد کر دیں گے اور یہ دنیا میں بھی رُسوا ہوں گے اور آخرت میں بھی انہیں عذاب عظیم ملے گا۔ کیونکہ جنّت خدا تعالیٰ کا گھر ہے جس کا ظل مسجد ہے۔ جب انہوں نے مسجدوں کو ویران کر دیا تو ان کو اگلے جہان میں کہاں امن میسر آسکتا ہے۔ مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ مساجد کی پناہ میں آنے والے لوگوں کو اسلامی شریعت نے قانون سے بالا سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ (رکوع 13) میں بعض ایسے لوگوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے حکومتِ وقت یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کی جماعت کے خلاف خفیہ کارروائیاں کرنے کے لئے ایک مسجد تیار کی تھی اور خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست بھی کی تھی کہ آپ تشریف لا کر اس میں نماز پڑھیں اور دُعا فرمائیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ پر حقیقت کھول دی اور بتا دیا کہ اِن لوگوں نے یہ مسجد صرف اس لئے تیار کی ہے کہ ان کی منافقت پر پردہ پڑا رہے اور یہ لوگ یہاں جمع ہو کر اسلام کے خلاف منصوبے کرتے رہیں اور مسلمانوں کو تباہ کریں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجد کو گروا دیا اور اس کی جگہ کھاد کا ڈھیر لگوا دیا۔ پس مسجد اپنی ذات میں کسی مجرم کو نہیں بچا سکتی۔ اگر مسجد میں کوئی بُرا کام کیا جائے گا تو اس کو بُرا سمجھا جائے گا اور اگر اچھا کام کیا جائے گا تو اس کو اچھا سمجھا جائے گا بلکہ اور مساجد تو الگ رہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم کعبہ کے متعلق بھی فرمایا ہے کہ وہ کسی مجرم یا قانون کی خلاف ورزی کرنے والے کو پناہ نہیں دیتا اور نہ قتل کر کے بھاگنے والے کی پناہ گاہ بن سکتا ہے اور نہ چوری کر کے بھاگنے والے کو بچا سکتا ہے۔ بلکہ ایسے لوگ پکڑے جائیں گے اور انہیں قانونی گرفت میں لایا جائے گا۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اطلاع پہنچی کہ اِبْنِ اَخْطَل جس کے قتل کا آپؐ نے حکم دیا تھا کعبہ کے پردوں کو پکڑ کر کھڑا ہے تو آپؐ نے فرمایا اُسے وہیں قتل کر دو۔ چنانچہ اسے قتل کر دیا گیا۔ (السیرۃ الحلبیۃ باب ذکر مغازیہ صفحہ مکۃ)

پس اگر بعض مجرموں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ میں بھی قتل کر دینے کا حکم دیا تھا تو دوسری مسجدوں کی خانہ کعبہ کے مقابلہ میں کیا حیثیت ہے کہ اُن میں خلاف آئین کام کرنے والے لوگوں کو قانون سے بالا سمجھا جائے۔

پس مساجد تقویٰ کے قیام کے لئے قائم کی گئی ہیں نہ کہ قانون شکنی کے لئے۔ اگر مسجد میں بھی قانون

شکنی کے اڈے بن جائیں تو پھر شیطان کے لئے تو کوئی گھر بھی بند نہیں رہتا جن گھروں کو خدا تعالیٰ نے امن کے لئے، تسکینِ قلوب کے لئے، روحانیت کے لئے، تقویٰ کے قیام کے لئے، تعاون اور اتحاد باہمی کے لئے بنایا ہے ان گھروں کو مسلمانوں میں فتنہ ڈلوانے کا ذریعہ بنانا یا اُن گھروں کو حکومت سے بغاوت کرنے کا ذریعہ بنانا یا ان گھروں کو فتنہ و فساد کی بنیاد رکھنے کی جگہ بنانا ایک خطرناک ظلم ہے جس کی اسلام کسی صورت میں بھی اجازت نہیں دیتا۔

اِس آیت میں ان لوگوں کے لئے جو عبادت گاہوں میں خدا تعالیٰ کا نام بلند کرنے سے لوگوں کو روکتے ہیں۔ دو2 سزاؤں کا ذکر کیا گیا ہے ایک یہ کہ انہیں دنیا میں ذلّت نصیب ہو گی اور دوسرے آخرت میں انہیں سخت سزا ملے گی۔ ذلّت کی سزا اس لحاظ سے تجویز کی گئی ہے کہ مساجد اور معابد بنانے کی صرف ایک ہی غرض ہوتی ہے اور وہ یہ کہ ان میں خدا تعالیٰ کی عبادت کی جائے۔ پس جو شخص اِن میں لوگوں کو خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے سے روکتا ہے وہ دنیا کی نگاہ میں اپنے لئے ذلّت اور رسوائی کے سامان پیدا کرتا ہے جو اس فعل کی ایک طبعی سزا ہے۔

یہ الفاظ مشرکین مکہ کے متعلق ایک عظیم الشان پیشگوئی پر بھی مشتمل ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو کعبہ میں داخل ہونے سے روکا اور آخر جب مکہ فتح ہوا تو انہیں ذلّت اور رسوائی کے عذاب سے دوچار ہونا پڑا۔"
(تفسیر کبیر جلد2 صفحہ 406تا410 ایڈیشن 2023ء)

بے شک اسلام اور نبی کریم ﷺ نے ہمیں مذہبی آزادی کا سبق دیا ہے تاہم اگر کہیں کوئی غیر منصفانہ سلوک ہو رہا ہو تو وہاں خاموشی اختیار کرنا ایک طرح کا گناہ یا جرم بن جاتا ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں:

"ہمارے ایک مبلغ کرم الٰہی صاحب ظفر ہیں جو سپین میں کام کر رہے ہیں۔ اُن کے والد حال ہی میں فوت ہوئے ہیں۔ اگر میں پہلے اُن کا جنازہ نہیں پڑھا چکا تو آج جمعہ کے بعد میں اُن کا جنازہ پڑھاؤں گا۔ اللہ بخش اُن کا نام تھا۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ کوئی شخص اِتنے قریب عرصہ میں فوت ہوا ہو اور پھر وہ اِتنی جلدی خواب میں مجھے نظر آ گیا ہو۔ بہر حال میں نے رؤیا میں دیکھا کہ وہ مجھے ملنے آئے ہیں اور انہوں نے میرے سامنے انگریزی میں ایک درخواست پیش کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کرم الٰہی ظفر کو وہاں کی گورنمنٹ نکال دے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ کرم الٰہی ظفر کو گورنمنٹ کی طرف سے نوٹس دیا گیا ہے کہ ہمارے ملک میں اسلام کی تبلیغ کی اجازت نہیں ہے۔ چونکہ تم لوگوں کو اسلام میں داخل کرتے ہو جو ہمارے ملک کے قانون کی

خلاف ورزی ہے اس لیے تمہیں وارننگ دی جاتی ہے کہ تم اِس قسم کی قانون شکنی نہ کرو ورنہ ہم مجبور ہوں گے کہ تمہیں اپنے ملک سے نکال دیں۔

ہمارا ملک اسلامی ملک کہلاتا ہے لیکن یہاں عیسائی پادری دھڑلّے سے اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں اور کوئی انہیں عیسائیت کی تبلیغ سے نہیں روکتا۔ لیکن وہاں ایک مبلغ کو اسلام کی تبلیغ سے روکا جاتا ہے اور پھر بھی ہماری حکومت اُس کے خلاف کوئی پروٹسٹ نہیں کرتی۔ وہ کہتے ہیں میں نے پاکستان کے ایمبیسیڈر (AM-BASSADOR) سے کہا کہ تمہیں تو ہسپانوی حکومت سے لڑنا چاہیے تھا اور کہنا چاہیے تھا کہ تم اسلامی مبلغ پر کیوں پابندی عائد کرتے ہو جبکہ حکومتِ پاکستان نے اپنے ملک میں عیسائی پادریوں کو تبلیغ کی اجازت دے رکھی ہے اور وہ ان پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کرتی۔ اُس نے کہا یہ تو درست ہے مگر سپین کی وزارتِ خارجہ کا سیکرٹری یہ کہتا تھا کہ تم اپنے ملک میں لوگوں کو جو بھی آزادی دینا چاہتے ہو بیشک دو ہمارے ملک کی کانسٹی ٹیوشن اِس سے مختلف ہے اور ہمارے ملک کا یہی قانون ہے کہ یہاں کسی کو اسلام کی تبلیغ کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ بہر حال یہ ایک افسوس کا مقام ہے کہ ہماری حکومت دوسری حکومتوں سے اِتنا ڈرتی ہے کہ وہ اسلام کی حمایت بھی نہیں کر سکتی حالانکہ اس کا فرض تھا کہ جب ایک اسلامی مبلغ کو ہسپانوی حکومت نے یہ نوٹس دیا تھا تو وہ فوراً پروٹسٹ کرتی اور اُس کے خلاف اپنی آواز بلند کرتی مگر پروٹسٹ کرنے کی بجائے ہسپانوی حکومت نے یہ نوٹس بھی ہمارے مبلغ کو پاکستانی۔ نمائندہ کے ذریعہ ہی دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں نے ایک وزیر سے کہا کہ مجھے یہ نوٹس براہِ راست کیوں نہیں دیا گیا؟ تو اُس نے کہا یہ نوٹس براہِ راست تمہیں اِس لیے نہیں دیا گیا کہ اگر ہم تمہیں نکال دیں تو پاکستانی گورنمنٹ ہم سے خفا ہو جائے گی۔ پس ہم نے چاہا کہ پاکستانی سفیر تمہیں خود یہاں سے چلے جانے کے لیے کہے تا کہ ہمارے خلاف حکومتِ پاکستان کو کوئی خفگی پیدا نہ ہو۔ بہر حال میں نے رؤیا میں دیکھا کہ ان کے والد آئے ہیں اور انہوں نے میرے سامنے ایک درخواست پیش کی ہے۔ اُس کا کاغذ ایسا ہے جیسے پرانے زمانہ میں عدالتوں میں استعمال ہوا کرتا تھا اور درخواست انگریزی میں لکھی ہوئی ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر حکومت کرم الٰہی ظفر کو سپین سے نکال دے تو اسے دو سال تک کسی اَور جگہ رکھیں اور اِس کا کام دیکھیں۔ اگر اچھا ہو تو اسے رہنے دیں ورنہ اسے فارغ کر دیں۔ بہر حال اِتنی مدت تک دین کا کام کرنے کے بعد اسے فوراً فارغ نہ کریں۔ اِس پر میں نے اُس درخواست پر انگریزی میں یہ فقرہ لکھا کہ

I recommend to Tahrik-i-Jadid to consider it and not to reject it out of hand

یعنی میں یہ درخواست تحریک جدید کو اپنی اِس سفارش کے ساتھ بھجواتا ہوں کہ وہ اس پر غور کرے۔ یہ نہ ہو کہ وہ اسے فوری طور پر ردّ کر دے۔

یہ رؤیا چونکہ ایک مبلغ کے متعلق ہے اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ اسے بیان کر دوں اور پھر جیسا کہ میں بتا چکا ہوں واقعہ بھی یہی ہے کہ پاکستانی گورنمنٹ کے نمائندے کے ذریعہ ہسپانوی گورنمنٹ کی طرف سے ہمارے مبلغ کو یہ نوٹس دیا گیا ہے کہ چونکہ تم اسلامی مبلغ ہو اور ہمارے ملک کے قانون کے ماتحت کسی کو یہ اجازت نہیں کہ وہ دوسرے کا مذہب تبدیل کرے اس لیے تم اسلام کی تبلیغ نہ کرو ورنہ ہم مجبور ہوں گے کہ تمہیں اپنے ملک سے نکال دیں۔ شاید کوئی محبتِ اسلام رکھنے والا سرکاری افسر میرے اِس خطبہ کو پڑھ کر اِس طرف توجہ کرے اور وہ اپنی ایمبیسی سے کہے کہ تم ہسپانوی گورنمنٹ کے پاس اس کے خلاف پروٹسٹ کرو اور کہو کہ اگر تم نے اسلام کے مبلغوں کو اپنے ملک سے نکالا تو ہم بھی عیسائی مبلغوں کو اپنے ملک سے نکال دیں گے۔ بیشک اسلام ہمیں مذہبی آزادی کا حکم دیتا ہے مگر اسلام کی ایک یہ بھی تعلیم ہے کہ (جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثۡلُہَا۔ الشوریٰ:41) یعنی اگر تمہارے ساتھ کوئی غیر منصفانہ سلوک کرتا ہے تو تمہیں بھی حق ہے کہ تم اس کے بدلہ میں اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرو۔ پس اگر کوئی حکومت اپنے ملک میں اسلام کی تبلیغ کو روکتی ہے تو مسلمان حکومتوں کا بھی حق ہے کہ وہ اُس کے مبلغوں کو اپنے ملک میں تبلیغ نہ کرنے دیں۔ اِسی طرح چاہیے کہ ہماری گورنمنٹ انگلستان کی حکومت کے پاس بھی اس کے خلاف احتجاج کرے اور کہے کہ یا تو سپین کی حکومت کو مجبور کرو کہ وہ اپنے ملک میں اسلام کی تبلیغ کی اجازت دے، نہیں تو ہم بھی اپنے ملک میں عیسائیت کی تبلیغ کو بالکل روک دیں گے۔ اِسی طرح وہ امریکہ کے پاس احتجاج کرے اور کہے کہ وہ ہسپانوی گورنمنٹ کو اپنے اس فعل سے روکے ورنہ ہم بھی مجبور ہوں گے کہ عیسائی مبلغوں کو اپنے ملک سے نکال دیں۔

بہر حال یہ ایک نہایت ہی افسوسناک امر ہے کہ ایک ایسا مُلک جو پاکستان سے دوستانہ تعلقات رکھتا ہے ایک اسلامی مبلغ کو نوٹس دیتا ہے کہ تم ہمارے ملک میں اسلام کی تبلیغ کیوں کرتے ہو۔ ایک دفعہ پہلے بھی پانچ سات نوجوان ہمارے مبلغ کے پاس بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ سی آئی ڈی کے کچھ آدمی وہاں آ گئے اور انہوں نے کہا کہ تم حکومت کے باغی ہو کیونکہ حکومت کا مذہب رومن کیتھولک ہے اور ہم نے سنا ہے کہ تم مسلمان ہو گئے ہو۔ اُن نوجوانوں نے کہا ہم حکومت کے تم سے بھی زیادہ وفادار ہیں لیکن اِس امر کا مذہب کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ انہوں نے کہا دراصل پادریوں نے حکومت کے پاس شکایت کی ہے کہ یہاں اسلام کی تبلیغ کی جاتی ہے اور گورنمنٹ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم تمہاری نگرانی کریں۔ انہوں نے کہا تم ہمیں دوسرے کی باتیں سننے سے نہیں روک سکتے۔ اگر ہمارا دل چاہا تو ہم مسلمان ہو جائیں گے۔ لیکن تمہیں کوئی اختیار نہیں کہ تم دوسروں پر جبر سے کام لو۔ اُس وقت سے یہ مخالفت کا سلسلہ جاری تھا جو آخر اِس نوٹس کی شکل میں ظاہر ہوا۔ بہر حال یہ ایک نہایت ہی افسوسناک امر ہے کہ بعض عیسائی ممالک میں اب اسلام کی تبلیغ پر بھی پابندیاں عائد

کی جارہی ہیں۔ پہلے عیسائی ممالک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف رات اور دن جھوٹ بولتے رہتے تھے۔ ہم نے اُن افتراؤں کا جواب دینے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حقیقی شان دنیا پر ظاہر کرنے کے لیے اپنے مبلغ بھیجے تو اب ان مبلغوں کی آواز کو قانون کے زور سے دبانے کی کوشش کی جارہی ہے اور اسلام کی تبلیغ سے انہیں جبراً روکا جاتا ہے۔ مسلمان حکومتوں کا فرض ہے کہ وہ اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام کی بلندی کے لیے عیسائی حکومتوں پر زور دیں کہ وہ سپین کو اِس سے روکیں ورنہ ہم بھی مجبور ہوں گے کہ ہم عیسائی مبلغوں کو اپنے ملکوں سے نکال دیں۔

دیکھو! سویز کے معاملہ میں مصر کی حکومت ڈَٹ گئی اور آخر اس نے روس کو اپنے ساتھ ملالیا۔ اگر سویز کے معاملہ میں مصر ڈَٹ سکتا ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام کی بلندی کے لیے اگر پاکستان کی حکومت ڈَٹ جائے تو کیا وہ دوسری اسلامی حکومتوں کو اپنے ساتھ نہیں ملا سکتی؟ محمد رسول اللہ ﷺ کی عزت یقیناً کروڑ کروڑ سویز سے بڑھ کر ہے۔ اگر ایک سویز کے لیے امریکہ اور برطانیہ کے مقابلہ میں مصر نے غیرت دکھائی اور وہ ڈَٹ کر کھڑا ہو گیا تو کیا دوسری اسلامی حکومتیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے اِتنی غیرت بھی نہیں دکھا سکتیں۔ انہیں عیسائی حکومتوں سے صاف صاف کہہ دینا چاہیے کہ یا تو تم اسلامی مبشرین کو اجازت دو کہ وہ تمہارے ملکوں میں اسلام کی اشاعت کریں ورنہ تمہارا بھی کوئی حق نہیں ہو گا کہ تم ہمارے ملکوں میں عیسائیت کی تبلیغ کرو۔ اگر تم ہمارے ملک میں عیسائیت کی تبلیغ کر سکتے ہو تو تمہارا کیا حق ہے کہ تم کہو کہ ہم اسلام کی باتیں نہیں سن سکتے۔ بیشک ہمارے مذہب میں رواداری کی تعلیم ہے مگر ہمارے مذہب کی ایک یہ بھی تعلیم ہے کہ اگر کوئی تمہارے ساتھ بے۔ انصافی کرے تو تم بھی اُس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرو۔ یہ ایک نہایت صاف اور سیدھا طریق ہے۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمان حکومتوں کا ذہن اِدھر نہیں جاتا اور وہ اسلام کے لیے اِتنی بھی غیرت نہیں دکھاتیں جتنی کرنل ناصر نے سویز کے متعلق غیرت دکھائی۔ اگر مسلمان حکومتیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے سویز جتنی غیرت بھی دکھائیں تو سارے جھگڑے ختم ہو جائیں اور اسلام کی تبلیغ کے راستے کھل جائیں اور جب اسلام کی تبلیغ کے رستے کھل گئے تو یقیناً سارا یورپ اور امریکہ ایک دن مسلمان ہو جائے گا۔

مجھے یاد ہے جن دنوں میں رتن باغ میں مقیم تھا امریکہ کا قونصل جنرل مجھ سے ملا اور میں نے اُس سے کہا کہ تمہارے مبلغ ہمارے ملک میں آزادی سے اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے پھرتے ہیں اور ہم انہیں کچھ نہیں کہتے لیکن تمہاری حکومت ہمارے مبلغوں پر پابندی عائد کرتی اور انہیں اپنے ملک میں آنے سے روکتی ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے؟ وہ کہنے لگا بات یہ ہے کہ ہمارے ملک میں عام طور پر جو ہندوستانی جاتے ہیں وہ

ارڑپوپو۔[(ہڑڑپوپو)فال دیکھنے والا، رمّال، نجومی نیز جعلی پیر، جعلی سادھو۔ (اردو لغت تاریخی اصول پر جلد 21 صفحہ 806۔ کراچی 2007ء)] ہوتے ہیں یعنی لوگوں کے ہاتھ دیکھ دیکھ کر پیسے بٹورتے پھرتے ہیں۔ اس وجہ سے ہمارے ملک میں عام طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ عیسائیوں کے سوا اَور کسی قوم میں مبلغ نہیں ہوتے کیونکہ وہاں جو بھی آتے ہیں مانگنے کے لیے آتے ہیں۔ لیکن یہاں آکر میں نے دیکھا ہے کہ آپ اپنے مبلغوں کو باقاعدہ خرچ دیتے ہیں اور وہ اسلام کی تبلیغ کے سوا کوئی اَور کام نہیں کرتے۔ پس میں اپنی حکومت کو لکھوں گا کہ یہ لوگ چونکہ مانگنے والوں میں سے نہیں ہیں بلکہ اپنے مبلغوں کو باقاعدہ خرچ دیتے ہیں اس لیے ان کے آنے پر کوئی پابندی عائد نہیں ہونی چاہیے۔ چنانچہ اُس نے اپنی حکومت کو لکھا اور کچھ دنوں کے بعد اُس نے ہمیں اطلاع دی کہ حکومتِ امریکہ کی طرف سے ہدایت کر دی گئی ہے کہ آئندہ احمدی مبلغوں کو نہ روکا جائے کیونکہ انہیں باقاعدہ خرچ ملتا ہے۔ یہ 1948ء کی بات ہے۔ اس کے بعد گورنمنٹ امریکہ نے ہمارے کسی مبلغ پر پابندی عائد نہیں کی۔ وہ قونصل جنرل بہت ہی شریف انسان تھا اور اُس سے ملاقات بھی اتفاقی ہی ہو گئی۔ ایک دعوت کے موقع پر گورنر کے پاس امریکہ کا قونصل جنرل بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کے پاس میں بیٹھا ہوا تھا اور میرے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی جو روسی تھی اور اس قونصل جنرل کی بیوی تھی۔ اس نے میرے نام کی چِٹ کے ساتھ مرزا کا لفظ دیکھا تو حیران ہو کر کہنے لگی کہ آپ مرزا کس طرح ہو گئے؟ میں نے کہا میں واقع میں مرزا ہوں۔ کہنے لگی مرزا تو روسی ہوتے ہیں۔ ہمارے کاکیشیا[کاکیشیا:(CAUCASUS/CAUCASIA) یورپ اور ایشیا کی سرحد پر واقع خطہ جو بحیرہ اسود اور بحیرہ قزوین کے درمیان واقع ہے۔ سیاسی اعتبار سے اس خطے کو شمالی اور جنوبی دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ (وکی پیڈیا۔ آزاد دائرۃ المعارف زیر لفظ قفقاز CAUSASUS)] میں بڑی کثرت سے مرزا پائے جاتے ہیں۔ پھر وہ کہنے لگی میں نے جب آپ کے نام کے ساتھ مرزا کا لفظ پڑھا تو مجھے تعجب ہوا کہ پاکستان میں یہ مرزا کہاں سے آ گئے۔ اس کے بعد وہ اپنے خاوند کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگی دیکھو! یہ مرزا بیٹھے ہیں۔ پھر وہ بھی آ گیا اور مجھ سے ملا اور اُس سے باتیں شروع ہو گئیں۔ اُس نے میرے توجہ دلانے پر اپنی گورنمنٹ کو لکھا کہ یہ ہمیں طعنہ دیتے ہیں کہ جب عیسائی مبلغ ہمارے ملک میں آسکتے ہیں تو اسلامی مبلغ آپ کے ملک میں کیوں نہیں جاسکتے۔ بہرحال اُسے اِس بات کا احساس ہوا کہ یہ حکومت کی غلطی ہے اور اُس نے کوشش کی جس پر حکومت نے ہدایت دے دی کہ آئندہ احمدی مبلغوں کو نہ روکا جائے۔ اِس طرح اُس نے اسلام کی دانستہ یا نادانستہ ایسی خدمت کی جس کی وجہ سے ہمارے دل میں اُس کی بڑی قدر ہے۔ اور ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُسے ہدایت دے اور اُس کے اِس فعل کو اسلام کی اشاعت کا موجب بنائے۔"

(خطبات محمود جلد 37 صفحہ 190 تا 196 خطبہ جمعہ فرمودہ 20/ اپریل 1956ء بمقام ربوہ)

اللُّؤْلُؤ الْمَكْنُوْن فِي سِيرَة النَّبي المامون

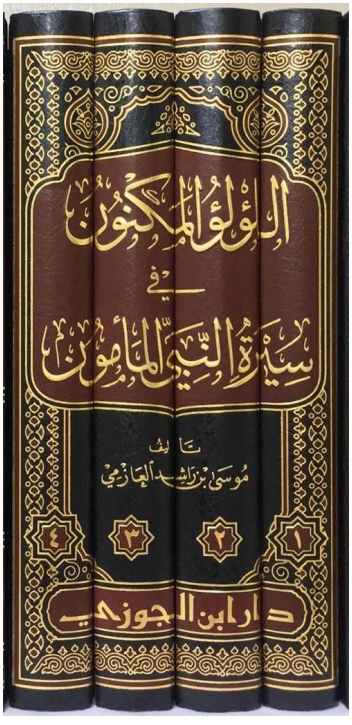
مُصَنِّفَہ موسیٰ بن راشد عازمی (معاصر)

(ابو اشعر)

سیرتِ نبوی ﷺ کا مطالعہ ہر مسلمان کے لیے رہنمائی کا ذریعہ ہے۔ مختلف ادوار میں علماء نے سیرت پر کتب تصنیف کیں، جن میں کچھ مفصل اور کچھ مختصر ہیں۔ انہی میں ایک اہم کتاب اللُّؤْلُؤ الْمَكْنُون ہے، جو سادہ اور مؤثر انداز میں سیرت نبوی ﷺ کو پیش کرتی ہے۔

تعارف مصنّف

موسیٰ بن راشد عازمی ایک معاصر کویتی عالم اور محقق ہیں جو سیرتِ نبوی کے میدان میں ایک ممتاز اور معروف نام ہیں۔



دیگر کتب: اَلْمُخْتَصَرُ فِي السِّيرَةِ النَّبَوِيَّةِ، الجَامِعُ فِي الْخَصَائِصِ،سِيْرَةُ الْعَتِيْق، السِّيْرَةُالْعُمَرِيَّة،السِّيْرَةُ الْعُثْمَانِيَّة،سِيْرَةُ اَبِيْ تُرَاب، اَلطَّاهِرَاتُ دِرَاسَةٌ جَامِعَةٌ وَمُحَرَّرَةٌ لِسِيَرِ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ، تَغْرِيدَاتٌ فِي السِّيْرَةِ

موسیٰ بن راشد عازمی ایسے محقق ہیں جنہوں نے سیرتِ نبویؐ اور خلفائے راشدین کی سیرت کو علمی تحقیق کے ساتھ عوام تک پہنچایا ہے۔ ان کی تصانیف عرب میں وسیع پیمانے پر پڑھی اور سراہی جاتی ہیں۔

تعارف کتاب

مصنف نے تقریباً دس سال تک سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کر کے اس کتاب کو تصنیف کیا۔ اس دوران سیرت و مغازی اور بہت

سی کتبِ حدیث کا بھی مطالعہ کیا اور صحیح روایات کو ضعیف روایات سے الگ کیا۔اور اس کتاب کا نام ”اللُّؤْلُؤُ الْمَكْنُونُ فِي سِيرَةِ النَّبِيِّ الْمَأْمُونِ“ رکھا جس کا مطلب ہے۔امانت دار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کے پوشیدہ موتی۔

اشاعت:

مکتبة العامرية للإعلان والطباعة والنشر والتوزيع، کویت سے پہلی مرتبہ 2011ء میں چار جلدوں میں 2600 صفحات میں شائع ہوئی۔

پھر دار الصمیعی للنشر والتوزیع ریاض سے 2013ء میں چار جلدوں میں 2801 صفحات میں شائع ہوئی۔

اس ایڈیشن میں بعض جگہ اضافے بھی ہیں۔مثلاً

1۔حضرت عبد الْمُطّلِب کی اولاد کے ضمن میں مندرجہ ذیل اضافہ ہے۔

قُلْتُ: فَالْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَصْغَرُ أَوْلَادِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، خِلَافًا لِابْنِ إِسْحَاقَ الَّذِي قَالَ فِي السِّيْرَةِ: وَكَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَصْغَرَ بَنِي أَبِيهِ. وَتَعَقَّبَهُ السُّهَيْلِيُّ فِي الرَّوْضِ الْأُنُفِ بِقَوْلِهِ: هَذَا غَيْرُ مَعْرُوفٍ، وَلَعَلَّ الرِّوَايَةَ: أَصْغَرَ بَنِي أُمِّهِ، وَإِلَّا فَحَمْزَةُ كَانَ أَصْغَرَ مِنْ عَبْدِ اللهِ، وَالْعَبَّاسُ أَصْغَرَ مِنْ حَمْزَةَ. وَقَالَ ابْنُ الْأَثِيرِ فِي أُسْدِ الْغَابَةِ: وَكَانَ الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَصْغَرَ وَلَدِ أَبِيهِ.

(اللُّؤْلُؤُ الْمكنُون جلد 1 صفحہ 63)

میں کہتا ہوں کہ حضرت عباسؓ بن عَبْدُ الْمُطَّلِب، عَبْدُ الْمُطَّلِب کی اولاد میں سب سے چھوٹے تھے۔یہ بات ابن اسحٰق کے قول کے برخلاف ہے، کیونکہ انہوں نے سیرت (ابن اسحٰق) میں لکھا ہے: عبد اللہ بن عَبْدُ الْمُطَّلِب اپنے والد کی اولاد میں سب سے چھوٹے تھے۔اور سُهَيْلِي نے اپنی کتاب الرَّوْضُ الْأُنُف میں ابن اسحٰق کے اس قول پر تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے: یہ بات معروف نہیں ہے۔اور ممکن ہے کہ اصل روایت کے الفاظ یہ ہوں: وہ اپنی والدہ کی اولاد میں سب سے چھوٹے تھے۔ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت حمزہؓ، حضرت عبد اللہؓ سے عمر میں چھوٹے تھے، اور حضرت عباسؓ، حضرت حمزہؓ سے بھی چھوٹے تھے۔اور ابنِ اثیر نے اُسد الغابہ میں کہا ہے: حضرت عباس بن عبد المطلبؓ اپنے والد کی اولاد میں سب سے چھوٹے تھے۔

2۔الْمُجَاهِرُونَ بِالظُّلْمِ لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ (رسول اللہ ﷺ پر علانیہ ظلم و زیادتی کرنے والے) کے تحت 16 اشخاص کا ذکر کیا ہے جبکہ پہلے ایڈیشن میں ۱۴ کا ذکر تھا۔(اللُّؤْلُؤُ الْمكنُون جلد 1 صفحہ 257)

دار ابن جوزی للنشر والتوزیع، سعودی عرب سے 2024ء میں چار جلدوں میں 2283 صفحات میں شائع ہوئی۔

خصوصیات:

1۔ مصنف کا انداز سلیس، سہل اور عام فہم ہے۔

2۔ کتاب میں حوالہ جات کی تخریج کا خاص اہتمام کیا ہے۔ جو سیرتِ نبوی کے تحقیقی مطالعہ کیلئے نہایت مفید ہے۔

3۔ مکمل سیرت کا شاندار انداز میں احاطہ کیا ہے۔ جو اس کتاب کی ایک بہت بڑی خوبی ہے۔ واقعات کے تذکرے میں زمانی ترتیب کا اہتمام کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی پیدائش سے وفات تک ہر پہلو سے آپ کی سیرت طیبہ احسن رنگ میں بیان کی ہے۔

4۔ عربی میں سیرت پر جدید اور جامع کتاب ہے۔

5۔ احادیثِ نبویہ اور سیرت میں مذکور تاریخی واقعات کی صحت یا ضعف کا فیصلہ خود نہیں کیا، بلکہ اس بارے میں علماء کے فیصلوں پر اعتماد کیا ہے اور علماء کے اقوال کے ساتھ روایات کی صحت اور ضعف کا بھی بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً ابنِ سعد اور ابنِ اسحاق سے روایت ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ کے والد عبد اللہ بن عبد المُطّلِب کو ان کے چہرے پر چمکتے نور کی وجہ سے اپنی طرف بلایا۔ جب عبد اللہ نے حضرت آمنہ بنت وَہب سے نکاح کر لیا تو وہ نور منتقل ہو گیا تو اس عورت نے کہا کہ اب مجھے تم سے کوئی غرض نہیں۔

مصنف نے اس روایت کو روایت اور درایت دونوں اعتبار سے منکر قرار دیا ہے، کیونکہ مختلف روایات میں اس عورت کے نام، قبیلے اور باقی تفصیلات میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت عبد اللہ کے بارے میں بھی اختلاف ہے، ایک روایت میں ہے کہ جب وہ اس عورت سے ملے۔ وہ مٹی سے اَٹے ہوئے کپڑوں میں تھے، جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ وہ زیب و زینت کی حالت میں تھے۔ اور ڈاکٹر محمد اَبُو شَہْبَہ (متوفی 1983ء) نے بھی اپنی کتاب السیرۃ النبویہ فی ضوء القرآن میں اس قصے کو مشکوک قرار دیا ہے۔

(اللُّؤْلُؤ الْمکنُون جلد 1 صفحہ 66 تا 67)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے موقع پر کسریٰ کے محل کا ہلنا، چودہ کنگرے گرنا اور مجوسیوں کی آگ کا بجھنا جیسے واقعات مشہور ضرور ہیں۔ تاہم یہ تمام علامات کسی صحیح سند سے ثابت نہیں، یعنی روایت کے اعتبار سے یہ قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔ (اللُّؤْلُؤ الْمکنُون جلد 1 صفحہ 74)

رسول اللہ ﷺ کے ختنہ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش کے ساتویں دن کیا گیا اور جہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے جن میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ مختون پیدا ہوئے۔ تو وہ تمام احادیث ضعیف ہیں۔ اِبنِ قَیِّم نے بیان کیا: کہا جاتا ہے نبی ﷺ مختون پیدا ہوئے، اور اس بارے میں ایک حدیث روایت کی گئی ہے جو صحیح نہیں۔ اسے اِبنِ جَوْزِی نے الموضوعات میں ذکر کیا ہے۔ (اللُّؤلُؤ الْمکنُون جلد 1 صفحہ 76 تا 77 و أؤ)

6۔ آنحضور ﷺ کی سیرت و سوانح بیان کرتے ہوئے آیات قرآنی سے بھی استدلال کرتے ہیں: مثلاً: یَدُلُّ عَلَی کَوْنِ الرَّسُولِ ﷺ وُلِدَ یَتِیمًا قَوْلُہٗ تَعَالٰی فِی سُورَۃِ الضُّحٰی: أَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیمًا فَآوٰی۔ یعنی اس بات کی دلیل کہ رسول اللہ ﷺ یتیم پیدا ہوئے، اللہ تعالیٰ کا سورۃ الضحیٰ میں یہ ارشاد ہے: کیا اُس نے تجھے یتیم نہیں پایا تھا پس پناہ دی۔ (اللُّؤلُؤ الْمکنُون جلد 1 صفحہ 69)

سورۃ الضحیٰ کی آیت اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیمًا فَاٰوٰی سے آنحضرت ﷺ کے یتیم ہونے پر استدلال بالکل درست ہے، تاہم آپ ﷺ کے "پیدائش ہی سے یتیم" ہونے کی تفصیل آیت کے الفاظ سے نہیں بلکہ سیرت کی مختلف کتب سے ملتی ہے۔ سیرت نگاروں میں حضرت عبد اللہ کی وفات کے متعلق دو قسم کے اقوال ملتے ہیں۔

i۔ آنحضرت ﷺ کی پیدائش سے پہلے:

اکثر مؤرخین نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ کی وفات اس وقت ہوئی جب آنحضرت ﷺ ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 1 صفحہ 79 تا 80 دار الکتب العلمیہ 1990ء۔ شرح علامہ زرقانی جلد 1 صفحہ 204 وفاۃ عبد اللہ۔ دار الکتب العلمیہ 1996ء۔ السیرۃ الحلبیہ جلد 1 صفحہ 74 دار الکتب العلمیہ 2002ء)

حضرت مصلح موعودؓ بیان کرتے ہیں: "آپ کی پیدائش سے پہلے ہی آپ کے والد جن کا نام عبد اللہ تھا فوت ہو گئے تھے اور آپ کو اور آپ کی والدہ حضرت آمنہ کو اُن کے دادا عَبْدُ الْمُطَّلِب نے اپنی کفایت میں لے لیا تھا۔" (دیباچہ تفسیر القرآن انوار العلوم جلد 20 صفحہ 185)

ii۔ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے بعد:

بعض علماء اور سیرت نگاروں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی پیدائش کے بعد آپؐ کے والد ماجد کی وفات ہوئی۔ ان کے مطابق حضرت عبد اللہ کی وفات کے وقت آپ ﷺ کی عمر 28 دن، 2 ماہ، 7 ماہ اور 9 ماہ، ایک سال، 2 سال کی روایات ملتی ہیں اور ایک قول کے مطابق آپ ﷺ اس وقت 28 ماہ کے تھے۔

(الروض الانف از ابو القاسم سہیلی۔ جلد اول صفحہ 283 تحقیق وفاۃ ابیہ۔ دار الکتب العلمیۃ بیروت شرح علامہ زرقانی جلد 1 صفحہ 205 وفاۃ عبد اللہ۔ دار الکتب العلمیہ 1996ء۔ امتاع الاسماع۔ تقی الدین احمد بن علی المقریزی جلد اول صفحہ 9 دار الکتب العلمیۃ بیروت 1999ء)

۷۔ مختلف واقعات کی لطیف اور بے مثال حکمتیں بھی بیان کرتے ہیں۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ کا ماہِ ربیع الاول میں پیدا ہونا بڑی حکمتوں پر مشتمل ہے۔ آپ ﷺ کی شریعت تمام شریعتوں میں سب سے معتدل ہے جیسے ربیع تمام موسموں میں سب سے معتدل ہے۔ نیز لفظ "ربیع" میں یہ اشارہ ہے کہ جیسے بہار میں زمین اپنے خزانے ظاہر کرتی ہے، اسی طرح آپ ﷺ کی ولادت پوری دنیا کے لیے ہے۔

(اللُّؤْلُؤُ الْمکنُون جلد 1 صفحہ 70 تا 71)

شق صدر کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ اس الٰہی حصانت کی طرف اشارہ ہے جو اللہ نے آپ ﷺ کو عطا فرمائی، جس نے آپ کو انسانی فطرت کی لغزشوں اور دنیاوی فتنوں سے بچپن ہی سے دور رکھا۔

(اللُّؤْلُؤُ الْمکنُون جلد 1 صفحہ 97)

8۔ نقل مواد اور حوالوں میں کتب احادیث پر خاص توجہ دی ہے۔

9۔ متعارض روایات میں تطبیق کی مختلف صورتیں بیان کی ہیں۔ مثلاً حدیبیہ کی بیعت کے متعلق سَلَمَہ بن اکوعؓ کہتے ہیں موت پر تھی۔ جبکہ جابر اور معقل بن یسار رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نہ بھاگنے پر تھی۔ حافظ اِبنِ حجر اور امام ترمذی نے دونوں روایات میں یوں تطبیق دی کہ دونوں صحیح ہیں۔ جو نہ بھاگنے پر ڈٹا رہے اس کا انجام بالآخر موت بھی ہو سکتی ہے، اس لیے ایک راوی نے اصل بیعت بیان کی اور دوسرے نے اس کا ممکنہ نتیجہ۔

(اللُّؤْلُؤُ الْمکنُون جلد 1 صفحہ 97)

10۔ شخصیات کا تعارف حاشیہ میں علامہ ابنِ حَجَر کی الاِصَابَہ اور علامہ ابنِ اثیر کی اُسد الغابہ وغیرہ سے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً حضرت اُمِّ اَیمَن کے تعارف میں لکھا ہے: وہ حضرت اُمِّ اَیمَن حبشیہؓ ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کرنے والی تھیں۔ آپؓ نے ابتدائی زمانے میں اسلام قبول کیا، اور حبشہ کی طرف ہجرت کی، اور مدینہ کی طرف بھی ہجرت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت زید بن حارِثہؓ سے کر دیا۔ ان سے حضرت اسامہؓ پیدا ہوئے۔ حضرت اُمِّ اَیمَن کا وصال حضرت عثمان بن عفانؓ کی خلافت کے زمانہ میں ہوا۔(اللُّؤْلُؤُ الْمکنُون جلد 1 صفحہ 69)

مقامات کا تعارف معجم البلدان وغیرہ سے کروایا گیا ہے۔ مثلاً قَرْنُ الثَّعَالِبِ کے متعلق لکھا ہے کہ یہ اہلِ نجد کا میقات ہے اور اسے قَرْنُ الْمَنَازِل بھی کہا جاتا ہے۔ مکہ سے تقریباً 80 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔(اللُّؤْلُؤُ الْمکنُون جلد 1 صفحہ 452)

مشکل الفاظ کے معانی کی وضاحت لسان العرب، قاموس المحیط اور النھایہ وغیرہ سے کی گئی ہے۔

مثلاً تَقْلِيدُ الْبُدْنِ: قربانی کے اونٹوں کے گلے میں ایسی علامت ڈالنا جس سے معلوم ہو جائے کہ یہ قربانی کے لیے مخصوص کیے گئے ہیں۔(اللُّؤْلُؤ الْمکنُون جلد 1 صفحہ 58)

11۔ نمایاں واقعات اور غزوات و سرایا کی تاریخ واسباب کا بالاہتمام تذکرہ کرتے ہیں۔

12۔ فوائد الحدیث کے تحت حدیث سے حاصل شدہ اسباق و نکات کا تذکرہ کرتے ہیں۔ مثلاً حدیث إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ، وَلَعَلَّ اللهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ یعنی بے شک میرا یہ بیٹا سردار ہے، اور شاید اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرادے۔ اس حدیث کے یہ فوائد بیان کئے ہیں: یہ نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ اس میں حضرت حسن بن علیؓ کی بڑی فضیلت ہے کیونکہ انہوں نے خلافت نہ کمزوری کی وجہ سے چھوڑی، نہ ذلت کی وجہ سے اور نہ کسی بیماری کی وجہ سے، بلکہ اللہ کے ہاں جو کچھ ہے اس کی رغبت اور مسلمانوں کا خون بچانے کے لیے چھوڑی۔ انہوں نے دین اور امت کی مصلحت کو مقدم رکھا۔ نیز اس میں خوارج کا رد ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو کافر کہتے تھے۔ کیونکہ نبی ﷺ نے دونوں گروہوں کے مسلمان ہونے کی گواہی دی۔ اور اس میں لوگوں کے درمیان صلح کرانے کی فضیلت ہے، خاص طور پر مسلمانوں کا خون بچانے میں۔ (اللُّؤْلُؤ الْمکنُون جلد 2 صفحہ 511 تا 512)

13۔ واقعات کے بیان میں موقع و محل کے لحاظ سے اشعار بھی بیان کرتے ہیں۔ احمد شوقی (وفات 1932) آپ ﷺ کی صداقت اور امانت داری کے متعلق احمد شوقی کے کچھ اشعار درج ذیل ہیں۔

بِسِوَى الأَمَانَةِ فِي الصِّبَا وَالصِّدْقِ لَمْ يَعْرِفْهُ أَهْلُ الصِّدْقِ وَالأُمَنَاءُ

اہلِ صدق و امانت بچپن ہی میں آپ ﷺ کو امانت داری اور صداقت کے سوا کسی اور صفت سے نہیں جانتے تھے۔

يَا مَنْ لَهُ الأَخْلَاقُ مَا تَهْوَى الْعُلَا مِنْهَا وَمَا يَتَعَشَّقُ الْكُبَرَاءُ

اے وہ ذات! جس کے ایسے اخلاق ہیں جنہیں بلند مرتبہ لوگ پسند کرتے ہیں اور بڑے بڑے لوگ جن کے عاشق ہیں۔

لَوْ لَمْ تَقُمْ دِينًا لَقَامَتْ وَحْدَهَا دِينًا تُضِيءُ بِنُورِهِ الأَنَاءُ

اگر آپ ﷺ نے دین قائم نہ کیا ہوتا تو یہ اخلاق ہی اپنی ذات میں ایک دین بن کر قائم ہو جاتے، جن کے نور سے زمانے روشن ہو جاتے۔

زَانَتْكَ فِي الْخُلُقِ الْعَظِيمِ شَمَائِلٌ يُغْرَى بِهِنَّ وَيُولَعُ الْكُرَمَاءُ

(اللُّؤْلُؤ الْمكنُون جلد 1 صفحہ 147)

عظیم اخلاق میں ایسی عمدہ خصلتوں نے آپؐ کو زینت بخشی ہے کہ اہلِ کرم ان کی طرف راغب ہوتے اور ان کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔

14۔ سیرت نبوی ﷺ کے ساتھ جب ازواج مطہرات سے شادی یا آپ ﷺ کی بیٹیوں کی شادی کا ذکر کرتے ہیں تو ساتھ ان کا مکمل تعارف بھی اسی جگہ بیان کرتے ہیں۔ مثلاً حضرت عائشہؓ سے شادی کے ضمن میں حضرت عائشہؓ سے آپ ﷺ کی محبت، ان کے فضائل اور وفات کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح حضرت فاطمہؓ کی شادی کے ضمن میں ان کے فضائل، وفات، اولاد اور اولاد کے فضائل و حالات بیان کئے ہیں۔

(اللُّؤْلُؤ الْمكنُون جلد 2 صفحہ 135 تا 150، 502 تا 523)

15۔ غزوات کے بیان میں ہر غزوہ کے حوالہ سے جو قرآن کا نزول ہوا اس کا بھی ذکر کرتے ہیں اور اس کے متعلق احکام یا فقہی امور کا بھی ذکر کرتے ہیں۔

اہم عناوین:

اللؤلؤ المکنون فی سیرۃ النبی المأمون جلد اول 623 صفحات: (ہجرتِ مدینہ تک)

مقدمہ کے بعد سیرتِ نبوی ﷺ کی اہمیت کے متعلق علماء کے اقوال کا بیان ہے۔ مثلاً زین العابدین علی بن حسینؒ نے بیان کیا: ہمیں رسول اللہ ﷺ کے غزوات اور سرایا اسی طرح سکھائے جاتے تھے جیسے ہمیں قرآن کریم کی سورتیں سکھائی جاتی تھیں۔

سیرتِ نبوی ﷺ کی پانچ خصوصیات کا بیان ہے۔

اوّل: تاریخ انبیاء میں آنحضرت ﷺ کی سیرت تمام انبیاء سے مستند اور صحیح ہے۔

دوم: آپ ﷺ کی زندگی ولادت سے وفات تک ہر مرحلے میں روشن اور واضح ہے۔

سوم: آپ ﷺ کی سیرت ایک مکمل انسان کی سیرت ہے۔ آپ ﷺ نے نکاح کیا، خرید و فروخت کی، خوش اور ناراض ہوئے۔ اس لیے آپ ﷺ ہر انسان کے لیے عملی نمونہ ہیں۔

چہارم: آپ ﷺ کی سیرت زندگی کے ہر شعبے کا احاطہ کرتی ہے، داعی، سربراہِ مملکت، شوہر، باپ، مربی، دوست، سپہ سالار، ہر حیثیت میں آپ ﷺ کامل نمونہ ہیں۔

پنجم: آپ ﷺ کی سیرت خود آپ ﷺ کی صداقت کی سب سے بڑی عقلی دلیل ہے، کیونکہ صرف تئیس سال کے قلیل عرصے میں، بے سروسامانی کے باوجود، دشمنوں کی ہر مزاحمت کے مقابل، پورے جزیرہ عرب کو ایمان کے ذریعے فتح کر لینا کسی انسانی قوت کا نہیں بلکہ اللہ کی تائید اور صدقِ رسالت کا واضح ثبوت ہے۔

عرب میں نبی ﷺ کی بعثت کیوں ہوئی؟:

اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ ہدایت کا یہ آفتاب جزیرۂ عرب سے طلوع ہو، کیونکہ عرب اس نور کے سب سے زیادہ محتاج تھے اور ساتھ ہی اس دعوت کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے کے لیے سب سے موزوں بھی۔ جب حق واضح ہو جائے تو اسے پوری جان سے اپنا لیتے تھے۔ ان کے دلوں کی تختیاں سادہ تھیں، جھوٹے علم اور باطل فلسفوں سے خالی، اس لیے ایمان کا نقش آسانی سے جم گیا۔ وہ سچے، بے باک، عملی اور دوٹوک تھے، جیسا کہ بیعتِ عقبہ اور انصار کے جوش ایمان سے ظاہر ہے۔

ولادت سے قبل سے ولادت تک کا دور:

نبی کریم ﷺ کا نسب نامہ، خاندانِ نبوی اور اجداد کے حالات، واقعہ اصحاب فیل اور ابرہہ کی ہلاکت، عبد المطلب کا اپنی اولاد میں سے ایک کو ذبح کرنے کی نذر، عبد اللہ کا سو اونٹوں سے فدیہ، والدِ رسول ﷺ عبد اللہ کی شادی اور وفات، یتیمانہ حالت میں ولادتِ رسول ﷺ۔

ولادت سے وحی تک کا دور:

ولادت کے وقت ظاہر ہونے والی علامات، رضاعت، شقِ صدر، مہرِ نبوت، والدہ کی طرف واپسی اور ان کی وفات، دادا عبد المطلب کی کفالت، ابو طالب کی کفالت، سفر شام اور بحیرا راہب، چچا کے ساتھ شام کا سفر، بکریاں چرانا، حربِ فجار میں شمولیت، حِلف الفضول میں شرکت، تجارتی زندگی، حضرت خدیجہؓ سے نکاح، کعبہ کی تعمیر اور حجرِ اسود کا واقعہ، اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی ﷺ کو جاہلی دور کی برائیوں سے محفوظ رکھنا اور اعلیٰ اخلاق۔

نزولِ وحی سے ہجرت تک کا دور:

سچے خواب، خلوت سے محبت، غارِ حراء میں وحی، وحی کا رک جانا، دوبارہ وحی، دعوت کے ادوار، اسلام قبول کرنے والوں کا ذکر، نماز کا آغاز، دارِ ارقم میں پناہ، اعلانیہ دعوت، قریبی رشتہ داروں کو دعوت، کوہِ صفا پر دعوت، قریش کا ردعمل اور ابولہب، آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں پر مظالم، حبشہ کی طرف ہجرت، قریش کے ابو طالب کے پاس وفود، حضرت حمزہؓ اور عمرؓ کا اسلام، شعبِ ابی طالب میں محاصرہ، ابو طالب کی وفات،

حضرت خدیجہؓ کی وفات، حضرت سودہؓ اور عائشہؓ سے نکاح، سفر طائف، مطعم بن عدی کی پناہ، معراج اور اسراء، بیعتِ عقبہ اولیٰ اور ثانیہ، مصعب بن عمیرؓ کی مدینہ روانگی، خصائص مدینہ منوّرہ۔

ہجرتِ حبشہ: حبشہ کی طرف ہجرت اسلام کی پہلی ہجرت تھی جو بعثت کے پانچویں سال رجب میں ہوئی، جب قریش کے مسلسل ظلم و ستم سے تنگ آ کر گیارہ مرد اور چار خواتین، جن کے امیر عثمان بن مظعونؓ تھے، خفیہ طور پر نکل کر بحری جہاز کے ذریعے حبشہ پہنچے، اور سب سے پہلے نکلنے والے عثمان بن عفانؓ اور ان کی زوجہ رقیہ بنت رسولؐ تھیں۔ کچھ ماہ بعد یہ لوگ یہ سن کر واپس آئے کہ اہلِ مکہ مسلمان ہو گئے، مگر مکہ کے قریب پہنچ کر حقیقت معلوم ہوئی تو بعض چھپ کر یا کسی کی پناہ میں مکہ داخل ہوئے۔ اس کے بعد قریش کا ظلم مزید بڑھ گیا تو نبی کریمؐ نے دوبارہ ہجرت کی اجازت دی، چنانچہ دوسری ہجرت میں 82 یا 83 مرد اور 18 خواتین نے شرکت کی جن کے امیر جعفر بن ابی طالبؓ تھے، اور وہ ہجرتِ مدینہ کے ساتویں سال تک وہاں مقیم رہے۔

(ماخوذ از اللُّؤْلُؤ الْمکنُون جلد 1 صفحہ 372 تا 386)

اسراء و معراج کا واقعہ:

یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کو برسوں کی تکالیف اور مشرکین کی اذیتوں کے بعد اللہ کی طرف سے تسلی اور اعزاز کے طور پر پیش آیا۔ اسراء سے مراد مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا رات کا سفر ہے، اور معراج سے مراد وہاں سے آسمانوں کی بلندیوں تک کا عروج ہے۔ اسراء و معراج کے وقت کے بارے میں علماء کے دس سے زائد اقوال ہیں، تاہم اس پر اتفاق ہے کہ یہ واقعہ طائف سے واپسی کے بعد پیش آیا۔ جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ یہ جسم اور روح دونوں کے ساتھ بیداری کی حالت میں ایک ہی رات میں ہوا۔

(ماخوذ از اللُّؤْلُؤ الْمکنُون جلد 1 صفحہ 457 تا 363)

شق القمر:

چاند کا دو ٹکڑے ہونا نبی ﷺ کے بڑے معجزات میں سے ہے، جس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ انس بن مالک اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایات میں ہے کہ اہل مکہ نے خود نشان مانگا تھا، مگر دیکھنے کے باوجود اسے جادو کہہ کر انکار کر دیا۔ جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر یہ واقعہ ہوتا تو سب دیکھتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ رات کو ہوا جب اکثر لوگ سوئے ہوئے تھے، اور چاند گرہن جیسے واقعات بھی ہمیشہ سب نہیں دیکھ پاتے۔ (ماخوذ از اللُّؤْلُؤ الْمکنُون جلد 1 صفحہ 524 تا 527)

اللؤلؤ المکنون فی سیرۃ النبی المأمون جلد 2 صفحات 730 :

(ہجرتِ مدینہ سے غزوۂ اُحد سے پہلے تک)

ہجرت، قُباء میں قیام اور مدینہ آمد، حضرت عائشہؓ سے شادی، مسجدِ نبوی کی تعمیر، مؤاخات، اذان کا فرض ہونا۔

جہاد کی اجازت: جہاد کے مراتب، نبی ﷺ کے غزوات، سریہ سیف البحر، سریہ عُبیدہ بن حارثؓ بطرف رَابِغ، سریہ ابی وقاصؓ بطرف خَرَّار، ہجرت کے پہلے سال میں وفات پانے والے مسلمان۔

ہجرت کا دوسرا سال:

غزوہ ابواء یا ودان، غزوہ بُوَاط، غزوہ عُشَیرہ، غزوۂ سَفوان یا بدرِ اولیٰ، سریہ عبد اللہ بن جحشؓ بطرف نخلہ، قبلہ کی تبدیلی، لوگوں کا قبلہ بدلنے پر رد عمل، عاشوراء کا روزہ، رمضان کے روزوں کا فرض ہونا، زکاۃ الفطر کا فرض ہونا، غزوہ بدر۔

غزوہ بدر اور اُحد کے درمیان ہونے والے واقعات: رقیہ بنتِ رسول ﷺ کی وفات، مسلمانوں کی پہلی عید الفطر، علیؓ کی فاطمہؓ سے شادی، نکاح، مہر، ولیمہ اور اولاد، حسن و حسین کا عقیقہ، حسن بن علیؓ کے فضائل، حسین بن علیؓ کے فضائل، حسین بن علیؓ کی شہادت، محسّن بن علیؓ، ام کلثوم بنت علیؓ، زینب بنت علیؓ، نبی ﷺ کا فاطمہؓ پر غصہ، غصے کا سبب، فاطمہؓ سے محبت، فضائلِ فاطمہؓ، فاطمہؓ کی وفات، غزوہ بنی قَینُقَاع، غزوہ سویق کیلئے نکلنا، پہلی عید الاضحیٰ، نبی ﷺ کی قربانی۔

ہجرت کا تیسرا سال:

غزوہ بنی سُلَیم، غزوہ ذِی اَمر یا غَطفان، کعب بن اشرف کا قتل، سَریَّہ زید بن حَارِثَہ قَرَدہ کی طرف، عثمانؓ کی امّ کلثومؓ بنت رسول ﷺ سے شادی، رسول اللہ ﷺ کی حَفصہ بنت عمرؓ سے شادی، رسول اللہ ﷺ کی زینب بنت خُزَیمَہؓ سے شادی۔ غزوۂ اُحد، غزوۂ حمراء الاسد۔

جہاد کی اقسام: جہاد کی چار بنیادی اقسام ہیں: نفس، شیطان، کفار و منافقین، اور ظالم و بدعتی سے۔ جن کے کُل تیرہ مراتب ہیں۔ جہادِ نفس میں علم حاصل کرنا، اس پر عمل کرنا، دوسروں کو سکھانا اور دعوت کی تکالیف پر صبر کرنا شامل ہے، اور جو یہ چاروں مراتب پورے کرے وہ ربّانی کہلاتا ہے۔ جہادِ شیطان میں شبہات کو یقین سے اور فاسد خواہشات کو صبر سے دور کیا جاتا ہے، کیونکہ دینی امامت انہی دو چیزوں صبر اور یقین سے ملتی ہے۔

کفار کے خلاف جہاد خاص طور پر ہاتھ سے اور منافقین کے خلاف زبان سے ہوتا ہے، جبکہ ظالموں اور بدعتیوں کے خلاف بقدرِ استطاعت پہلے ہاتھ، پھر زبان، پھر دل سے انکار کیا جائے۔

(ماخوذ از اللُّؤْلُؤُ الْمکنُون جلد2 صفحہ 275 تا277)

اللؤلؤ المکنون فی سیرۃ النبی المأمون جلد سوم 748 صفحات:

(غزوۂ اُحد سے فتح مکہ سے پہلے تک)

ہجرت کا چوتھا سال:

سریہ ابو سَلَمَہؓ بنی اسد کی طرف، سریہ عبد اللہ بن انیسؓ سفیان بن خالد ہُذَلی کے قتل کے لیے، سریہ رجیع، واقعہ بئر مَعُوْنہ، غزوہ بنی نضیر، بنی نضیر کا محاصرہ اور جلاوطنی، غزوہ بدرِ آخرہ، نبی ﷺ کا حضرت ام سلمہؓ سے نکاح۔

ہجرت کا پانچواں سال:

غزوہ دُومۃ الجندل، وفدِ مُزَیْنَہ کی آمد، حضرت زینب بنت جَحْشؓ سے شادی، پردہ کا نزول، غزوہ بنی مُصْطَلِق، غزوہ بنی مُصْطَلِق میں منافقین کا کردار، واقعہ اِفک، کیا تیمم کی آیت مریسیع کے موقع پر نازل ہوئی؟، رسول اللہ ﷺ کا حضرت جویریہ بنت حارثؓ سے نکاح، صحابہ کرامؓ کا عزل کے بارے میں سوال، غزوہ خندق، بنی قریظہ کا عہد توڑنا، غزوہ بنی قریظہ، حُیَیّ بن اخطب کا قتل، سعد بن معاذؓ کی وفات، اَشْجَع کے وفد کی آمد۔

ہجرت کا چھٹا سال:

سریہ محمد بن مَسْلَمہؓ قُرَطاء کی طرف، غزوہ بنی لِحیان، صلاۃ خوف، سریہ عُکَّاشہ بن مِحصنؓ بطرف غَمْر، سریہ محمد بن مَسْلَمہؓ بطرف ذی القَصَّہ، سریہ ابی عبیدہ بن الجراحؓ بطرف ذی القَصَّہ، سریہ زید بن حارثہؓ بطرف جَمُوم، سریہ زید بن حارثہؓ بطرف عِیْص، سریہ زید بن حارثہؓ بطرف طَرَف، سریہ عبد الرحمٰن بن عوفؓ بطرف دُومۃ الجندل، سریہ علی بن ابی طالبؓ بطرف فَدَک، سریہ عبد اللہ بن عتیکؓ سلّام بن ابی حُقَیق کے قتل کیلئے، سریہ عبد اللہ بن رواحہؓ یُسَیْر بن رِزَام کے قتل کیلئے، سریہ خَبَط، سریہ کُرز بن جابِر فِہریؓ بطرف عُرَنِیِّین۔

صلحِ حدیبیہ، پہلی صلاۃِ خوف، بیعتِ رضوان، حدیبیہ اسلام کی سب سے بڑی فتح، صلح کے بعد مہاجرات کا معاملہ، ابو بصیرؓ کا قصہ، ابو جندلؓ کا نکلنا

ہجرت کا ساتواں سال:

ملوک اور امراء کو خطوط۔ نجاشی کی وفات، فارس و روم کی فتح کی بشارت، مصر کی فتح کی بشارت، یہودی لبید بن اعصم کی نبی ﷺ پر جادو کی کوشش، غزوہ ذِی قَرَد، غزوۂ خیبر، نبی ﷺ کی صفیہ بنت حُیَیؓ سے شادی، زہر آلود بکری کا واقعہ، غزوہ ذات الرقاع، سریہ عمر بن خطابؓ بطرف تُربہ، سریہ ابی بکر صدیقؓ بطرف فَزَارہ، سریہ بشیر بن سعدؓ بطرف بنی مُرّہ، سریہ غالب بن عبد اللہ لَیثِی بطرف مِیفَعَہ، اسامہؓ کا مِرداس بن نَہِیک کا قتل، سریہ بشیر بن سعدؓ بطرف یَمن و جُبار، عُمرۃ القضاء، نبی ﷺ کی مَیمُونَہ بنت حارِثؓ سے شادی، میمونہؓ کے فضائل و وفات۔

ہجرت کا آٹھواں سال:

شراب کی حرمت کے مراحل، خالد بن ولید اور عَمرو بن عاص و عثمان بن طلحہؓ کا اسلام، مناقب اور وفات، سریہ غالب بن عبد اللہؓ بطرف بنی مُلوَّح، سریہ غالب بن عبد اللہؓ بطرف مُصَاب، سریہ شُجاع بن وَہب بنی عامر کی طرف، سریہ کعب بن عُمیرؓ بطرف ذات اَطلَاح، غزوۂ موتہ، سریہ ذاتِ السلاسل، سریہ ابی قتادہؓ بطرف خَضِرَہ، سریہ عبد اللہ بن ابی حَدرَدؓ بطرف غابہ، سریہ ابو قتادہؓ بطرف اِضَم۔

اللؤلؤ المکنون فی سیرۃ النبی المأمون جلد چہارم 700 صفحات:

(فتحِ مکہ سے وفاتِ نبوی ﷺ تک)

فتح مکہ، غزوہ حنین، غزوہ طائف، جِعرَانہ میں غنائم کی تقسیم، حلیمہ سعدیہؓ کا آنا، نبی ﷺ کا جِعرَانہ سے احرام۔ غزوہ تبوک، نبی ﷺ کا ہِرَقل عظیم روم کو خط، مسجدِ ضرار کا انہدام، پیچھے رہ جانے والوں کا معاملہ، کعب بن مالکؓ اور ساتھیوں کا قصہ۔

ہجرت کا نواں سال عام الوفود: وفود کی آمد، ثقیف کا اسلام، لات بت کو گرانا، ام کلثوم بنت رسول ﷺ کی وفات۔

ہجرت کا دسواں سال: بعث معاذ بن جبل اور ابو موسی اشعریؓ بطرف یمن، ابراہیم ابن رسول ﷺ کی وفات، سورج گرہن، بعثِ علی بن ابی طالبؓ اور خالد بن ولیدؓ بطرف یمن، حجۃ الوداع، کیا نبی ﷺ نے ہجرت سے پہلے حج کیا؟، کذّابین کا ظہور۔

ہجرت کا گیارہواں سال: نبی ﷺ کی بیماری کا آغاز اور مدّت، ابو بکر صدیقؓ کی امامت، وفاتِ نبوی

ﷺ، نبی ﷺ کا غسل اور تکفین، نبی ﷺ کی نماز جنازہ، تدفین۔

ابراہیم ابن رسول ﷺ کی نمازِ جنازہ: حضرت ابراہیم اٹھارہ ماہ کی عمر میں وفات پاگئے، امام احمد اور ابوداؤد نے حضرت عائشہؓ سے صحیح سند سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے ان پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔ ابن ماجہ اور مسند احمد کی وہ روایات جن میں نمازِ جنازہ پڑھنے کا ذکر ہے، سنداً ضعیف ہیں۔ اس بارے میں علماء کے دو قول ہیں: ایک یہ کہ رسول اللہؐ کا بیٹا ہونے کی فضیلت نمازِ جنازہ کی شفاعت سے بے نیاز کر دیتی تھی، جیسے شہید کو نماز کی ضرورت نہیں، اور دوسرا یہ کہ اس دن سورج گرہن ہوا تھا، اس لیے آپؐ نمازِ کسوف میں مشغول رہے۔

(ماخوذ از اللُّؤْلُؤ الْمکنُون جلد 2 صفحہ 447 تا 448)



قسط ہشتم

قرآن کریم کے حسن و جمال کا تذکرہ روحانی خزائن میں

(سید میر محمود احمد ناصر۔ مرحوم)

(20) اس مادّی ظاہری کائنات میں ہمیں ایک ترتیب نظر آتی ہے کائنات کی ترتیب کی یہ خوبصورتی قرآن شریف کے حسن ترتیب رکھنے والے مضامین کے مطابق خالق کائنات کے حسن کی تجلیات کی جھلک دکھاتی ہے اس مضمون کو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے اپنے کلام میں کئی جگہ بیان فرمایا ہے، چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں:

”منجملہ انسان کی طبعی حالتوں کے جو اس کی فطرت کو لازم پڑی ہوئی ہیں ایک برتر ہستی کی تلاش ہے جس کے لئے اندر ہی اندر انسان کے دل میں ایک کشش موجود ہے۔ اور اس تلاش کا اثر اسی وقت سے محسوس ہونے لگتا ہے جبکہ بچہ ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے کیونکہ بچہ پیدا ہوتے ہی پہلے روحانی خاصیت اپنی جو دکھاتا ہے وہ یہی ہے کہ ماں کی طرف جھکا جاتا ہے اور طبعاً اپنی ماں کی محبت رکھتا ہے۔ اور پھر جیسے جیسے حواس اس کے کھلتے جاتے ہیں اور شگوفہ فطرت اس کا کھلتا جاتا ہے یہ کشش محبت جو اس کے اندر چھپی ہوئی تھی اپنا رنگ روپ نمایاں طور پر دکھاتی چلی جاتی ہے۔ پھر تو یہ ہوتا ہے کہ بجز اپنی ماں کی گود کے کسی جگہ آرام نہیں پاتا۔ اور پورا آرام اس کا اسی کے کنار عاطفت میں ہوتا ہے اور اگر ماں سے علیحدہ کر دیا جائے اور دور ڈال دیا جائے تو تمام عیش اس کا تلخ ہو جاتا ہے اور اگرچہ اس کے آگے نعمتوں کا ایک ڈھیر ڈال دیا جاوے تب بھی وہ اپنی سچی خوشحالی ماں کی گود میں ہی دیکھتا ہے اور اس کے بغیر کسی طرح آرام نہیں پاتا۔ سو وہ کشش محبت جو اس کو اپنی ماں کی طرف پیدا ہوتی ہے۔ وہ کیا چیز ہے؟

در حقیقت یہ وہی کشش ہے جو معبود حقیقی کے لئے بچہ کی فطرت میں رکھی گئی ہے بلکہ ہر ایک جگہ جو انسان تعلق محبت پیدا کرتا ہے در حقیقت وہی کشش کام کر رہی ہے اور ہر ایک جگہ جو یہ عاشقانہ جوش دکھلاتا ہے در حقیقت اسی محبت کا وہ ایک عکس ہے گویا دوسری چیزوں کو اُٹھا اُٹھا کر ایک گم شدہ چیز کی تلاش کر رہا ہے جس کا اب نام بھول گیا ہے۔ سو انسان کا مال یا اولاد یا بیوی سے محبت کرنا یا کسی خوش آواز کے گیت کی طرف اس کی

روح کا کھینچے جانا در حقیقت اُسی گمشدہ محبوب کی تلاش ہے اور چونکہ انسان اس دقیق در دقیق ہستی کو جو آگ کی طرح ہر ایک میں مخفی اور سب پر پوشیدہ ہے اپنی جسمانی آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتا اور نہ اپنی ناتمام عقل سے اس کو پا سکتا ہے۔ اس لئے اس کی معرفت کے بارے میں انسان کو بڑی بڑی غلطیاں لگی ہیں۔ اور سہو کاریوں سے اس کا حق دوسرے کو دیا گیا ہے۔ **خدا نے قرآن شریف میں یہ خوب مثال دی ہے کہ دنیا ایک ایسے شیش محل کی طرح ہے جس کی زمین کا فرش نہایت مصفّٰی شیشوں سے کیا گیا ہے** اور پھر ان شیشوں کے نیچے پانی چھوڑا گیا ہے جو نہایت تیزی سے چل رہا ہے۔ اب ہر ایک نظر جو شیشوں پر پڑتی ہے وہ اپنی غلطی سے ان شیشوں کو بھی پانی سمجھ لیتی ہے اور پھر انسان ان شیشوں پر چلنے سے ایسا ڈرتا ہے جیسا کہ پانی سے ڈرنا چاہئے۔ حالانکہ وہ در حقیقت شیشے ہیں مگر صاف شفاف۔ سو یہ بڑے بڑے اجرام جو نظر آتے ہیں جیسے آفتاب و ماہتاب وغیرہ۔ **یہ وہی صاف شیشے ہیں جن کی غلطی سے پرستش کی گئی** اور ان کے نیچے ایک اعلیٰ طاقت کام کر رہی ہے جو اُن شیشوں کے پردہ میں پانی کی طرح بڑی تیزی سے چل رہی ہے اور مخلوق پرستوں کی نظر کی یہ غلطی ہے کہ انہیں شیشوں کی طرف اس کام کو منسوب کر رہے ہیں جو ان کے نیچے کی طاقت دکھلا رہی ہے۔ یہی تفسیر اس آیت کریمہ کی ہے۔

اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ۔ (النمل:45)

غرض چونکہ خدا تعالیٰ کی ذات باوجود نہایت روشن ہونے کے پھر بھی نہایت مخفی ہوتی ہے۔ اس لئے اس کی شناخت کے لئے صرف یہ نظام جسمانی جو ہماری نظروں کے سامنے ہے کافی نہ تھا اور یہی وجہ ہے کہ ایسے نظام پر مدار رکھنے والے باوجودیکہ اس ترتیب ابلغ اور محکم کو جو صدہا عجائبات پر مشتمل ہے نہایت غور کی نظر سے دیکھتے رہے بلکہ ہیئت اور طبعی اور فلسفہ میں وہ مہارتیں پیدا کیں کہ گویا زمین و آسمان کے اندر دھس گئے مگر پھر بھی شکوک و شبہات کی تاریکی سے نجات نہ پا سکے اور اکثر ان کے طرح طرح کی خطاؤں میں مبتلا ہو گئے اور بیہودہ اوہام میں پڑ کر کہیں کے کہیں چلے گئے۔"

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 363 تا 365)

"اگر غور سے دیکھا جائے تو **وہ تمام کام جو یہ جسمانی آفتاب کر رہا ہے وہ سب کام اس حقیقی آفتاب کے ظل ہیں** اور یہ نہیں کہ وہ صرف روحانی کام کرتا ہے بلکہ جس قدر اس جسمانی سورج کے کام ہیں وہ اس کے اپنے کام نہیں ہیں بلکہ در حقیقت اسی معبود حقیقی کی پوشیدہ طاقت اس کے اندر وہ تمام کام کر رہی ہے جیسا کہ اُسی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے قرآن شریف میں ایک ملکہ کا قصہ لکھا ہے جو آفتاب پرست تھی اور اس کا نام بلقیس تھا اور وہ اپنے ملک کی بادشاہ تھی اور ایسا ہوا کہ اس وقت کے نبی نے اس کو دھمکی دے بھیجی کہ تجھے ہمارے پاس

حاضر ہونا چاہئے ورنہ ہمارا لشکر تیرے پر چڑھائی کرے گا اور پھر تیری خیر نہیں ہو گی۔ پس وہ ڈر گئی اور اس نبی کے پاس حاضر ہونے کے لئے اپنے شہر سے روانہ ہوئی اور قبل اس کے کہ وہ حاضر ہو اس کو متنبہ کرنے کے لئے ایک ایسا محل طیار کیا گیا جس پر نہایت مصفّا شیشہ کا فرش تھا اور اس فرش کے نیچے نہر کی طرح ایک وسیع خندق طیار کی گئی تھی جس میں پانی بہتا تھا اور پانی میں مچھلیاں چلتی تھیں جب وہ ملکہ اس جگہ پہنچی تو اس کو حکم دیا گیا کہ محل کے اندر آجاتب اس نے نزدیک جا کر دیکھا کہ پانی زور سے بہہ رہا ہے اور اس میں مچھلیاں ہیں۔ اس نظارہ سے اس پر یہ اثر ہوا کہ اُس نے اپنی پنڈلیوں پر سے کپڑا اُٹھالیا کہ ایسا نہ ہو کہ پانی میں تر ہو جائے۔ تب اُس نبی نے اس ملکہ کو جس کا نام بلقیس تھا آواز دی کہ اے بلقیس تو کس غلطی میں گرفتار ہو گئی۔ یہ تو پانی نہیں ہے جس سے ڈر کر تُو نے پاجامہ اُوپر اُٹھالیا۔ یہ تو شیشہ کا فرش ہے اور پانی اس کے نیچے ہے۔ اس مقام میں قرآن شریف میں یہ آیت ہے۔ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ۔ (النمل:45) یعنی اس نبی نے کہا کہ اے بلقیس تو کیوں دھوکا کھاتی ہے یہ تو شیش محل کے شیشے ہیں جو اُوپر کی سطح پر بطور فرش کے لگائے گئے ہیں اور پانی جو زور سے بہہ رہا ہے وہ تو ان شیشوں کے نیچے ہے نہ کہ یہ خود پانی ہیں تب وہ سمجھ گئی کہ میری مذہبی غلطی پر مجھے ہوشیار کیا گیا ہے اور مَیں نے فی الحقیقت جہالت کی راہ اختیار کر رکھی تھی جو سورج کی پوجا کرتی تھی۔

تب وہ خدائے واحد لاشریک پر ایمان لائی اور اُس کی آنکھیں کھل گئیں اور اُس نے یقین کر لیا کہ وہ طاقتِ عظمیٰ جس کی پرستش کرنی چاہئے وہ تو اور ہے اور مَیں دھوکہ میں رہی اور سطحی چیز کو معبود ٹھہرایا اور **اس نبی کی تقریر کا ماحصل یہ تھا کہ دنیا ایک شیش محل ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور عناصر وغیرہ جو کچھ کام کر رہے ہیں۔ یہ دراصل ان کے کام نہیں یہ تو بطور شیشوں کے ہیں بلکہ ان کے نیچے ایک طاقت مخفی ہے** جو خدا ہے۔ یہ سب اس کے کام ہیں۔ اس نظارہ کو دیکھ کر بلقیس نے سچے دل سے سورج کی پوجا سے توبہ کی اور سمجھ لیا کہ وہ طاقت ہی اور ہے کہ سورج وغیرہ سے کام کراتی ہے اور یہ تو صرف شیشے ہیں۔"

(نسیم دعوت، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 410، 411)

"مختلف رنگوں اور پیرایوں اور عالموں میں جو دنیا کا نظام قائم رکھنے کے لئے زمین آسمان کی چیزیں کام کر رہی ہیں یہ وہ نہیں کام کرتیں **بلکہ خدائی طاقت ان کے نیچے کام کر رہی ہے** جیسا کہ دوسری آیت میں بھی فرمایا صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ۔ (النمل:45) یعنی دنیا ایک شیش محل ہے جس کے شیشوں کے نیچے زور سے پانی چل رہا ہے اور نادان سمجھتا ہے کہ یہی شیشے پانی ہیں حالانکہ پانی ان کے نیچے ہے۔"

(نسیم دعوت، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 425)

”قرآن شریف میں ایک شاہزادی بِلقیس نام کا ایک عجیب قصہ لکھا ہے جو سورج کی پوجا کرتی تھی شاید وید کی پیرو تھی۔ حضرت سلیمان نے اُس کو بلایا اور اُس کے آنے سے پہلے ایسا محل طیّار کیا جس کا فرش شیشہ کا تھا اور شیشہ کے نیچے پانی بہ رہا تھا جب بلقیس نے حضرت سلیمان کے پاس جانے کا قصد کیا تو اُس نے اُس شیشہ کو پانی سمجھا اور اپنا پاجامہ پنڈلی سے اُوپر اٹھالیا۔ حضرت سلیمان نے کہا کہ دھوکا مت کھا یہ پانی نہیں ہے بلکہ یہ شیشہ ہے پانی اس کے نیچے ہے۔ تب وہ عقلمند عورت سمجھ گئی کہ اس پیرایہ میں میرے مذہب کی غلطی انہوں نے ظاہر کی ہے اور یہ ظاہر کیا ہے کہ سورج اور چاند اور دوسرے روشن اجرام شیشہ کی مانند ہیں اور ایک پوشیدہ طاقت ہے جو ان کے پردہ کے نیچے کام کر رہی ہے **اور وہی خدا ہے**۔ جیسا کہ قرآن شریف میں اس جگہ فرمایا صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ۔ (النمل:45) (حاشیہ: یعنی یہ ایک محل ہے شیشوں سے بنایا گیا۔ منہ) سو دُنیا کو خدا نے شیش محل سے مثال دی ہے جاہل ان شیشوں کی پرستش کرتے ہیں اور دانا اس پوشیدہ طاقت کے پرستار ہیں مگر وید نے اس شیش محل کی طرف کچھ اشارہ نہیں کیا اور ان ظاہری شیشوں کو پرمیشور سمجھ لیا اور پوشیدہ طاقت سے بے خبر رہا۔“ (چشمۂ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 290)

”ہمارا تو یہ ایمان ہے اور مذہب ہے کہ ایک فوق الفوق قادر ہستی ہے جو ہم پر کام کرتی ہے جدھر چاہتی ہے لے جاتی ہے وہ خالق ہے ہم مخلوق ہیں۔ وہ حیّ قیّوم ہے اور ہم ایک عاجز مخلوق۔ قرآن شریف میں حضرت سلیمانؑ اور بلقیس کا ذکر ہے کہ اس نے پانی کو دیکھ کر اپنی پنڈلی سے کپڑا اٹھایا۔ اس میں بھی یہی تعلیم ہے جو حضرت سلیمانؑ نے اس عورت کو دی تھی وہ دراصل آفتاب پرستی کرتی تھی۔ اس کو اس طریق سے انہوں نے سمجھایا کہ جیسے یہ پانی شیشہ کے اندر چل رہا ہے دراصل اوپر شیشہ ہی ہے۔ اسی طرح پر آفتاب کو روشنی اور ضیاء بخشنے والی ایک اور زبردست طاقت ہے۔“ (ملفوظات جلد 3 صفحہ 307 ایڈیشن 1984ء)

”اس جگہ ایک قرآنی نکتہ کو جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کو اس کی آفتاب پرستی کی غلطی پر آگاہ کرنے کے لئے صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ کی شکل میں دکھایا یاد رکھنے کے قابل ہے چنانچہ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ۔ (النمل:45) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ اجرام علوی و اجسام سفلی میں نظر آتا ہے جن میں سے بعض کی جاہل لوگ پرستش بھی کرتے ہیں تمام یہ چیزیں ہیچ اور معدوم محض ہیں پرستش کے لائق نہیں اور جو کچھ بظاہر ان میں طاقتیں نظر آتی ہیں ان کی طرف منسوب کرنا ایک دھوکہ ہے بلکہ ایک ہی طاقت عظمیٰ ان سب کے نیچے پوشیدہ ہے کہ جو درحقیقت ان سے الگ ہے اور وہی یہ سب کرشمے دکھلا رہی ہے جیسا اس صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ کے نیچے پانی تھا اور اس صرح کا عین نہیں تھا بلکہ اس سے الگ تھا مگر بلقیس کی نظر سقیم میں

عین دکھائی دیا تھا۔ تب ہی اس نے ان شیشوں کو بہتے پانی کے دریا کی طرح سمجھا اور اپنی پنڈلیوں پر سے پاجامہ اٹھالیا۔ یہ اس کو ایسا ہی دھوکا لگا تھا جیسا اس کو آفتاب پرستی میں لگا تھا کہ وہ طاقت عظمیٰ اس کو نظر نہ آئی کہ جو درپردہ آفتاب سے عجائب کام ظہور میں لاتی اور اس سے الگ تھی۔ اسی طرح دنیا ایک ایسے شیش محل کی طرح ہے جس کی زمین کا فرش نہایت مصفّٰی شیشوں سے کیا گیا ہے اور پھر ان شیشوں کے نیچے پانی چھوڑا گیا ہے جو نہایت تیزی سے چل رہا ہے۔ اب ہر ایک نظر جو شیشوں پر پڑتی ہے وہ اپنی غلطی سے ان شیشوں کو بھی پانی سمجھ لیتی ہے اور پھر انسان ان شیشوں پر چلنے سے ایسا ڈرتا ہے جیسے پانی سے۔ حالانکہ وہ درحقیقت شیشے ہیں۔ سو یہ نکتہ کہ جو تمام عالم کے انکشاف حقیقت کے لئے عمدہ ترین اصول ہے اہل اللہ سے بہت مناسبت رکھتا ہے اور جس طرح اللہ جلّ شانہٗ نے بلقیس کی نسبت فرمایا ہے فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ۔(النمل:45) یعنی بلقیس نے اس شیش محل کو جس کا فرش مصفّٰی اور شفاف شیشے تھے اور نیچے ان کے پانی بہتا تھا اپنی غلط فہمی سے بہتا پانی خیال کیا۔ ایسا ہی اہل اللہ کی نسبت یہ لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں یعنی وہ پانی جو ان کی شیشوں کے فرش کے نیچے یعنی ان کی فانی حالت کے تحت منجانب اللہ بہتا ہے اور کبھی اپنی سختی اور کبھی اپنی نرمی دکھاتا ہے اور کبھی تلخ اور شور اور بے مزہ کی صورت میں اور کبھی شیریں اور خوشگوار پانی کی شکل میں نظر آتا ہے اور کبھی طوفان کی طرح قوت غضبی کے زور سے بہتا ہے اور کبھی نہایت آہستگی اختیار کرتا ہے۔ اس پانی کو جاہل خیال کرتا ہے کہ یہ نفسانی جذبات کا پانی ہے اور اہل اللہ کی شان عظیم سے منکر ہو جاتا ہے یا شک میں پڑ جاتا ہے حالانکہ ان کا نفس بہت سے صیقلوں کے شیشہ کی صفت پر آگیا ہے اور جو کچھ ایک جاہل کو پانی اور پانی کا زور نظر آتا ہے وہ الٰہی چشمہ ہے جو اس شیشہ کے نیچے بہتا ہے۔" (الحکم جلد 5 نمبر 33 مؤرخہ 10 ستمبر 1901ء صفحہ 5)

(21) تمام کائنات میں سے عظیم الشان مظاہر قدرت کو چھوڑ کر خدائی امانت اپنے کندھوں پر اٹھانے کے لئے انسان کا انتخاب کیا گیا حالانکہ آسمان، زمین، پہاڑ جیسے عظیم مظاہر بھی موجود تھے اس مضمون کو جہاں قرآن مجید کی ایک آیت میں نہایت لطافت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے وہیں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے جس حسن ترتیب کے ساتھ اس قرآنی مضمون کو بیان فرمایا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے، فرماتے ہیں:

"اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۔(الاحزاب: 73) یعنی ہم نے اپنی امانت کو جس سے مراد عشق و محبت الٰہی اور مورد ابتلا ہو کر پھر پوری اطاعت کرنا ہے آسمان کے تمام فرشتوں اور زمین کی تمام مخلوقات اور پہاڑوں پر پیش کیا جو بظاہر قوی ہیکل چیزیں تھیں سو ان سب چیزوں نے اُس امانت کے اٹھانے سے انکار کر دیا

اور اُس کی عظمت کو دیکھ کر ڈر گئیں مگر انسان نے اس کو اٹھالیا کیونکہ انسان میں یہ دو خوبیاں تھیں ایک یہ کہ وہ خدائے تعالیٰ کی راہ میں اپنے نفس پر ظلم کر سکتا تھا۔ دوسری یہ خوبی کہ وہ خدائے تعالیٰ کی محبت میں اس درجہ تک پہنچ سکتا تھا جو غیر اللہ کو بکلی فراموش کر دے۔" (توضیح مرام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 75،76)

"در حقیقت یہی صفت مخالفت نفس کی جو ظلومیّت کے اسم سے بھی موسوم ہے ایک نہایت قابلِ تعریف جوہر انسان میں ہے جو فرشتوں کو بھی نہیں دیا گیا اور اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔ (الاحزاب: 73) یعنی انسان میں ظلومیت اور جہولیت کی صفت تھی اس لئے اس نے اس امانت کو اٹھالیا۔ جس کو وہی شخص اٹھا سکتا ہے جس میں اپنے نفس کی مخالفت اور اپنے نفس پر سختی کرنے کی صفت ہو۔ غرض یہ صفت ظلومیت انسان کے مراتب سلوک کا ایک مرکب اور اس کے مقامات قرب کیلئے ایک عظیم الشان ذریعہ اس کو عطا کیا گیا ہے جو بوجہ مجاہدات شاقہ کے اوائل حال میں نار جہنم کی شکل پر تجلی کرتا ہے لیکن آخر نعماء جنت تک پہنچا دیتا ہے اور در حقیقت قرآن کریم کے دوسرے مقام میں جو یہ آیت ہے۔ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا۔ (مریم: 72، 73) یہ بھی در حقیقت صفت محمودۂ ظلومیت کی طرف ہی اشارہ کرتی ہے۔"

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 141 تا 143)

"ظلومیت کی صفت جو مومن میں ہے یہی اس کو خدا تعالیٰ کا پیارا بنا دیتی ہے اور اسی کی برکت سے مومن بڑے بڑے مراحل سلوک کے طے کرتا اور ناقابل برداشت تلخیاں اور طرح طرح کی دوزخوں کی جلن اور حرقت اپنے لئے بخوشی خاطر قبول کر لیتا ہے یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جس جگہ انسان کی اعلیٰ درجہ کی مدح بیان کی ہے اور اس کو فرشتوں پر بھی ترجیح دی ہے اس مقام میں اس کی یہی فضیلت پیش کی ہے کہ وہ ظلوم اور جہول ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔ (الاحزاب: 73) یعنی اُس امانت کو جو ربوبیت کا کامل ابتلا ہے جس کو فقط عبودیّت کاملہ اٹھا سکتی ہے انسان نے اٹھالیا کیونکہ وہ ظلوم اور جہول تھا یعنی خدا تعالیٰ کے لئے اپنے نفس پر سختی کر سکتا تھا اور غیر اللہ سے اس قدر دور ہو سکتا تھا کہ اس کی صورت علمی سے بھی اس کا ذہن خالی ہو جاتا تھا۔ واضح ہو کہ ہم سخت غلطی کریں گے اگر اس جگہ ظلوم کے لفظ سے کافر اور سرکش اور مشرک اور عدل کو چھوڑنے والا مراد لیں گے کیونکہ یہ ظلوم جہول کا لفظ اس جگہ اللہ جلّ شانہٗ نے انسان کے لئے مقام مدح میں استعمال کیا ہے نہ مقام ذم میں اور اگر نعوذ باللہ یہ مقام ذم میں ہو تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ سب سے بدتر انسان ہی تھا جس نے خدا تعالیٰ کی پاک امانت کو اپنے سر پر اٹھالیا اور اس کے حکم کو

مان لیا۔ بلکہ نعوذ باللہ یوں کہنا پڑے گا کہ سب سے زیادہ ظالم اور جاہل انبیاء اور رسول تھے جنہوں نے سب سے پہلے اس امانت کو اٹھالیا حالانکہ اللہ جلّ شانہٗ آپ فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا ہے پھر وہ سب سے بدتر کیونکر ہوا اور انبیاء کو سید العادلین قرار دیا ہے پھر وہ ظلوم وجہول دوسرے معنوں کی رو سے کیونکر کہلاویں۔ ماسوا اس کے ایسا خیال کرنے میں خدا تعالیٰ پر بھی اعتراض لازم آتا ہے کہ اس کی امانت جو وہ دینی چاہتا تھا وہ کوئی خیر اور صلاحیت اور برکت کی چیز نہیں تھی بلکہ شر اور فساد کی چیز تھی کہ شریر اور ظالم نے اس کو قبول کیا اور نیکوں نے اس کو قبول نہ کیا مگر کیا خدا تعالیٰ کی نسبت یہ بدظنی کرنا جائز ہے کہ جو چیز اس کے چشمہ سے نکلے اور جس کا نام وہ اپنی امانت رکھے جو پھر اس کی طرف ردّ ہونے کے لائق ہے وہ درحقیقت نعوذ باللہ خراب اور پلید چیز ہو جس کو بجز ایسے ظلوم کے جو درحقیقت سرکش اور نافرمان اور نعمت عدل سے بکلّی بے نصیب ہے کوئی دوسرا قبول نہ کرسکے۔

افسوس کہ ایسے مکروہ خیالوں والے کچھ بھی خدا تعالیٰ کی عظمت نگہ نہیں رکھتے وہ یہ بھی نہیں سوچتے کہ امانت اگر سراسر خیر ہے تو اس کا قبول کرلینا ظلم میں کیوں داخل ہے اور اگر امانت خود شر اور فساد کی چیز ہے تو پھر وہ خدا تعالیٰ کی طرف کیوں منسوب کی جاتی ہے۔ کیا خدا تعالیٰ نعوذ باللہ فساد کا مبدا ہے اور کیا جو چیز اس کے پاک چشمہ سے نکلتی ہے اس کا نام فساد اور شر رکھنا چاہیئے؟ ظلمت ظلمت کی طرف جاتی ہے اور نور نور کی طرف سو امانت نور تھی اور انسان ظلوم جہول بھی ان معنوں کر کے جو ہم بیان کرچکے ہیں ایک نور ہے اس لئے نور نے نور کو قبول کرلیا۔

وہ اعلیٰ درجہ کا نور جو انسان کو دیا گیا یعنی انسان کامل کو وہ ملایک میں نہیں تھا نجوم میں نہیں تھا قمر میں نہیں تھا آفتاب میں بھی نہیں تھا وہ زمین کے سمندروں اور دریاؤں میں بھی نہیں تھا۔ وہ لعل اور یاقوت اور زمرد اور الماس اور موتی میں بھی نہیں تھا غرض وہ کسی چیز ارضی اور سماوی میں نہیں تھا صرف انسان میں تھا **یعنی انسان کامل میں جس کا اتم اور اکمل اور اعلیٰ اور ارفع فرد ہمارے سیّد و مولیٰ سیّد الانبیاء سیّد الاحیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں**۔ سو وہ نُور اس انسان کو دیا گیا اور حسب مراتب اس کے تمام ہم رنگوں کو بھی یعنی ان لوگوں کو بھی جو کسی قدر وہی رنگ رکھتے ہیں اور امانت سے مراد انسان کامل کے وہ تمام قویٰ اور عقل اور علم اور دل اور جان اور حواس اور خوف اور محبت اور عزت اور وجاہت اور جمیع نعماء روحانی وجسمانی ہیں جو خدا تعالیٰ انسان کامل کو عطا کرتا ہے اور پھر انسان کامل برطبق آیت اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَہۡلِہَا۔ (النساء:59) اس ساری امانت کو جناب الٰہی کو واپس دے دیتا ہے یعنی اس میں فانی ہو کر اس کی راہ میں وقف کر دیتا ہے۔ جیسا کہ

ہم مضمون حقیقتِ اسلام میں بیان کر چکے ہیں اور یہ شان اعلیٰ اور اکمل اور اتم طور پر ہمارے سید ہمارے مولیٰ ہمارے ہادی نبی امی صادق مصدوق محمدؐ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی تھی جیسا کہ خود خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ۚ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔(الانعام:164،163)وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِہٖ ؕ ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِہٖ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ۔(الانعام:154)قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔(ال عمران:32)فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْھِیَ لِلّٰہِ۔ (ال عمران:21)وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔(المومن:67)یعنی ان کو کہدے کہ میری نماز اور میری پرستش میں جدوجہد اور میری قربانیاں اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا سب خدا کے لئے اور اس کی راہ میں ہے۔ وہی خدا جو تمام عالموں کا رب ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں اوّل المسلمین ہوں یعنی دنیا کی ابتداء سے اس کے اخیر تک میرے جیسا اور کوئی کامل انسان نہیں جو ایسا اعلیٰ درجہ کا فنا فی اللہ ہو جو خدا تعالیٰ کی ساری امانتیں اس کو واپس دینے والا ہو۔ اس آیت میں ان نادان موحدوں کا ردّ ہے جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں جو ہمارے نبی ﷺ کی دوسرے انبیاء پر فضیلت کلی ثابت نہیں اور ضعیف حدیثوں کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ مجھ کو یونس بن متیؑ سے بھی زیادہ فضیلت دی جائے۔ یہ نادان نہیں سمجھتے کہ اگر وہ حدیث صحیح بھی ہو تب بھی وہ بطور انکسار اور تذلل ہے جو ہمیشہ ہمارے سیّد ﷺ کی عادت تھی ہر ایک بات کا ایک موقع اور محل ہوتا ہے اگر کوئی صالح اپنے خط میں احقر عباد اللہ لکھے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ شخص درحقیقت تمام دنیا یہاں تک کہ بت پرستوں اور تمام فاسقوں سے بدتر ہے اور خود اقرار کرتا ہے کہ وہ احقر عباد اللہ ہے کس قدر نادانی اور شرارت نفس ہے۔

غور سے دیکھنا چاہیئے کہ جس حالت میں اللہ جلّ شانہٗ آنحضرت ﷺ کا نام اوّل المسلمین رکھتا ہے اور تمام مطیعوں اور فرمانبرداروں کا سردار ٹھہراتا ہے اور سب سے پہلے امانت کو واپس دینے والا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیتا ہے تو پھر کیا بعد اس کے کسی قرآن کریم کے ماننے والے کو گنجائش ہے کہ آنحضرت ﷺ کی شان اعلیٰ میں کسی طرح کا جرح کر سکے۔ خدا تعالیٰ نے آیت موصوفہ بالا میں اسلام کے لئے کئی مراتب رکھ کر سب مدارج سے اعلیٰ درجہ وہی ٹھہرایا ہے جو آنحضرت ﷺ کی فطرت کو عنایت فرمایا۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ مَا اَعْظَمُ شَأْنِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

موسیٰ و عیسیٰ ہمہ خیلِ تواند
جملہ درین راہ طفیلِ تواند

(ترجمہ: موسیٰؑ اور عیسیٰؑ آپؐ ہی کے ہمرکاب ہیں۔ اس راہ میں سب آپؐ ہی کے طفیل فیضیاب ہیں)

پھر بقیہ ترجمہ یہ ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ اپنے رسول کو فرماتا ہے کہ ان کو کہہ دے کہ میری راہ جو ہے وہی راہ سیدھی ہے سو تم اس کی پیروی کرو اور اَور راہوں پر مت چلو کہ وہ تمہیں خدا تعالیٰ سے دور ڈال دیں گی۔ ان کو کہہ دے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو آؤ۔ میرے پیچھے پیچھے چلنا اختیار کرو یعنی میرے طریق پر جو اسلام کی اعلیٰ حقیقت ہے قدم مارو تب خدا تعالیٰ تم سے بھی پیار کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ ان کو کہہ دے کہ میری راہ یہ ہے کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ اپنا تمام وجود خدا تعالیٰ کو سونپ دوں اور اپنے تئیں ربّ العالمین کے لئے خالص کر لوں یعنی اس میں فنا ہو کر جیسا کہ وہ ربّ العالمین ہے میں خادم العالمین بنوں اور ہمہ تن اسی کا اور اسی کی راہ کا ہو جاؤں۔ سو میں نے اپنا تمام وجود اور جو کچھ میرا تھا خدا تعالیٰ کا کر دیا ہے اب کچھ بھی میرا نہیں جو کچھ میرا ہے وہ سب اس کا ہے۔

اور یہ وسوسہ کہ ایسے معنے آیت ظلوم و جہول کے کس نے متقدمین سے کئے ہیں اور کون اہل زبان میں سے ظلم کے ایسے معنی بھی کرتا ہے اس وہم کا جواب یہ ہے کہ ہمیں بعد کلام اللہ کے کسی اور سند کی ضرورت نہیں۔ کلام الٰہی کے بعض مقامات بعض کی شرح ہیں۔ پس جس حالت میں خدا تعالیٰ نے بعض متقیوں کا نام بھی ظالم رکھا ہے اور مراتب ثلاثہ تقویٰ سے پہلا مرتبہ تقویٰ کا ظلم کو ہی ٹھہرایا ہے تو اس سے ہم نے قطعی اور یقینی طور پر سمجھ لیا کہ اس ظلم کے لفظ سے وہ ظلم مراد نہیں ہے جو تقویٰ سے دور اور کفار اور مشرکین اور نافرمانوں کا شعار ہے بلکہ وہ ظلم مراد ہے جو سلوک کے ابتدائی حالات میں متقیوں کے لئے شرط متحتم ہے یعنی جذبات نفسانی پر حملہ کرنا اور بشریت کی ظلمت کو اپنے نفس سے کم کرنے کے لئے کوشش کرنا جیسا کہ اس دوسری آیت میں بھی کم کرنے کے معنی ہیں اور وہ یہ ہے وَ لَمۡ تَظۡلِمۡ مِّنۡہُ شَیۡئًا۔ (الکھف:34) ای ولم تنقص دیکھو قاموس اور صحاح اور صراح جو ظلم کے معنے کم کرنے کے بھی لکھے ہیں اور اس آیت کے یہی معنے کئے ہیں یعنی ولم تنقص۔

ماسوا اس کے اس معنے کے کرنے میں یہ عاجز متفرد نہیں بڑے بڑے محقق اور فضلاء نے جو اہل زبان تھے یہی معنے کئے ہیں چنانچہ منجملہ ان کے صاحب فتوحات مکیہ ہیں جو اہل زبان بھی ہیں وہ اپنی ایک تفسیر میں جو مصر کے چھاپہ میں چھپ کر شائع ہوئی ہے یہی معنے کرتے ہیں چنانچہ انہوں نے زیر تفسیر آیت وَ حَمَلَہَا الۡاِنۡسَانُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوۡمًا جَہُوۡلًا۔ (الاحزاب:73) یہی معنے لکھے ہیں کہ یہ ظلوم و جہول مقام مدح میں ہے اور اس سے مطلب یہی ہے کہ انسان مومن احکام الٰہی کی بجا آوری میں اپنے نفس پر اس طور سے ظلم کرتا ہے جو

نفس کے جذبات اور خواہشوں کا مخالف ہو جاتا ہے اور اس سے اس کے جوشوں کو گھٹاتا ہے اور کم کرتا ہے۔ اور صاحب تفسیر حسینی خواجہ محمد پارسا کی تفسیر سے نقل کرتے ہیں کہ آیت کے یہ معنی ہیں کہ انسان نے اس امانت کو اس لئے اٹھالیا کہ وہ ظلوم تھا یعنی اس بات پر قادر تھا کہ اپنے نفس اور اس کی خواہشوں سے باہر آجائے یعنی جذبات نفسانی کو کم بلکہ معدوم کر دیوے اور ہویت مطلقہ میں گم ہو جائے اور انسان جہول تھا اس لئے کہ اس میں یہ قوت ہے کہ غیر حق سے بکلی غافل اور نادان ہو جائے اور بقول لا الٰہ الا اللہ نفی ماسوا کی کر دیوے اور ابن جریر بھی جو رئیس المفسرین ہے اس آیت کی شرح میں لکھتا ہے کہ ظلوم اور جہول کا لفظ محل مدح میں ہے نہ ذم میں غرض اکابر اور محققین جن کی آنکھوں کو خدا تعالیٰ نے نور معرفت سے منور کیا تھا وہ اکثر اسی طرف گئے ہیں کہ اس آیت کے بجز اس کے اور کوئی معنے نہیں ہو سکتے کہ انسان نے خدا تعالیٰ کی امانت کو اٹھا کر ظلوم اور جہول کا خطاب مدح کے طور پر حاصل کیا نہ ذم کے طور پر چنانچہ ابن کثیر نے بھی بعض روایات اسی کی تائید میں لکھی ہیں اور اگر ہم اس تمام آیت پر کہ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔ (الاحزاب:73)

ایک نظر غور کی کریں تو یقینی طور پر معلوم ہو گا کہ وہ امانت جو فرشتوں اور زمین اور پہاڑوں اور تمام کواکب پر عرض کی گئی تھی اور انہوں نے اٹھانے سے انکار کیا تھا وہ جس وقت انسان پر عرض کی گئی تھی تو بلاشبہ سب سے اول انبیاء اور رسولوں کی روحوں پر عرض کی گئی ہو گی کیونکہ وہ انسانوں کے سردار اور انسانیت کے حقیقی مفہوم کے اول المستحقین ہیں پس اگر ظلوم اور جہول کے معنے یہی مراد لئے جائیں جو کافر اور مشرک اور پکے نافرمان کو کہتے ہیں تو پھر نعوذ باللہ سب سے پہلے انبیاء کی نسبت اس نام کا اطلاق ہو گا۔ لہٰذا یہ بات نہایت روشن اور بدیہی ہے کہ ظلوم اور جہول کا لفظ اس جگہ محل مدح میں ہے اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کے حکم کو مان لیا جاوے اور اس سے منہ پھیرنا موجب معصیت نہیں ہو سکتا یہ تو عین سعادت ہے تو پھر ظلوم اور جہول کے حقیقی معنے جواباً اور سرکشی کو مستلزم ہیں کیونکر اس مقام کے مناسب حال ہو سکتے ہیں جو شخص قرآن کریم کی اسالیب کلام کو بخوبی جانتا ہے اُس پر یہ پوشیدہ نہیں کہ بعض اوقات وہ کریم و رحیم جلّ شانہٗ اپنے خواص عباد کے لئے ایسا لفظ استعمال کر دیتا ہے کہ بظاہر بد نما ہوتا ہے مگر معناً نہایت محمود اور تعریف کا کلمہ ہوتا ہے جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے نبی کریم کے حق میں فرمایا وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى۔ (الضحیٰ:8)

اب ظاہر ہے کہ ضال کے معنے مشہور اور متعارف جو اہل لغت کے منہ پر چڑھے ہوئے ہیں گمراہ کے ہیں جس کے اعتبار سے آیت کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے (اے رسول اللہ) تجھ کو گمراہ پایا اور ہدایت دی۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ کبھی گمراہ نہیں ہوئے اور جو شخص مسلمان ہو کر یہ اعتقاد رکھے کہ

کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر میں ضلالت کا عمل کیا تھا تو وہ کافر بے دین اور حد شرعی کے لائق ہے بلکہ آیت کے اِس جگہ وہ معنی لینے چاہے جو آیت کے سیاق اور سباق سے ملتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرمایا اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی۔ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی۔ (الضحیٰ:7تا9) یعنی خدا تعالیٰ نے تجھے یتیم اور بیکس پایا اور اپنے پاس جگہ دی اور تجھ کو ضال (یعنی عاشق وجہ اللہ) پایا پس اپنی طرف کھینچ لایا اور تجھے درویش پایا پس غنی کر دیا۔ ان معنوں کی صحت پر یہ ذیل کی آیتیں قرینہ ہیں جو ان کے بعد آتی ہیں یعنی یہ کہ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ۔ وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ۔ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ (الضحیٰ:10تا12) کیونکہ یہ تمام آیتیں لف نشر مرتب کے طور پر ہیں اور پہلی آیتوں میں جو مدعا مخفی ہے دوسری آیتیں اس کی تفصیل اور تصریح کرتی ہیں مثلاً پہلے فرمایا اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی۔ اس کے مقابل پر یہ فرمایا فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ۔ یعنی یاد کر کہ تو بھی یتیم تھا اور ہم نے تجھ کو پناہ دی ایسا ہی تو بھی یتیموں کو پناہ دے۔ پھر بعد اس آیت کے فرمایا وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی۔ اِس کے مقابل پر یہ فرمایا وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ یعنی یاد کر کہ تو بھی ہمارے وصال اور جمال کا سائل اور ہمارے حقائق اور معارف کا طالب تھا سو جیسا کہ ہم نے باپ کی جگہ ہو کر تیری جسمانی پرورش کی ایسا ہی ہم نے استاد کی جگہ ہو کر تمام دروازے علوم کے تجھ پر کھول دیئے اور اپنے لقا کا شربت سب سے زیادہ عطا فرمایا اور جو تو نے مانگا سب ہم نے تجھ کو دیا سو تو بھی مانگنے والوں کو رد مت کر اور ان کو مت جھڑک اور یاد کر کہ تو عائل تھا اور تیری معیشت کے ظاہری اسباب بکلّی منقطع تھے سو خدا خود تیرا متولّی ہوا اور غیروں کی طرف حاجت لے جانے سے تجھے غنی کر دیا۔ نہ تو والد کا محتاج ہوا نہ والدہ کا نہ استاد کا اور نہ کسی غیر کی طرف حاجت لے جانے کا بلکہ یہ سارے کام تیرے خدا تعالیٰ نے آپ ہی کر دیئے اور پیدا ہوتے ہی اس نے تجھ کو آپ سنبھال لیا۔ سو اس کا شکر بجالا اور حاجت مندوں سے تو بھی ایسا ہی معاملہ کر۔

اب ان تمام آیات کا مقابلہ کر کے صاف طور پر کھلتا ہے کہ اس جگہ ضَآلّ کے معنے گمراہ نہیں ہے بلکہ انتہائی درجہ کے تعشق کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ حضرت یعقوب کی نسبت اسی کے مناسب یہ آیت ہے اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ۔ (یوسف:96) سو یہ دونوں لفظ ظلم اور ضلالت اگرچہ ان معنوں پر بھی آتے ہیں کہ کوئی شخص جادہ اعتدال اور انصاف کو چھوڑ کر اپنے شہوات غضبیہ یا بہیمیہ کا تابع ہو جاوے۔ لیکن قرآن کریم میں عشاق کے حق میں بھی آئے ہیں جو خدا تعالیٰ کے راہ میں عشق کی مستی میں اپنے نفس اور اس کے جذبات کو پیروں کے نیچے کچل دیتے ہیں۔ اسی کے مطابق حافظ شیرازی کا یہ شعر ہے۔

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید
قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

(ترجمہ: آسمان اس امانت کا بوجھ نہ اٹھا سکا تو اس بوجھ کو اٹھانے کی ذمہ داری کا قرعہ مجھ جیسے عاجز انسان کے نام نکل آیا)

اس دیوانگی سے حافظ صاحب حالت تعشق اور شدت حرص اطاعت مراد لیتے ہیں۔ غرض ان آیتوں کی حقیقت واقعی یہی ہے جو خدا تعالیٰ نے میرے پر کھولی اور میں ہر گز ایسے معنی نہیں کروں گا جن سے ایک طرف تو یہ لازم آوے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ پاک امانت نہیں تھی بلکہ کوئی فساد کی بات تھی جو ایک مفسد ظالم نے قبول کر لی اور نیکوں نے اس کو قبول نہ کیا اور دوسری طرف تمام مقدس رسولوں اور نبیوں کو جو اول درجہ پر امانت کے محمل ہیں ظالم ٹھہرایا جاوے۔ اور میں بیان کر چکا ہوں کہ دراصل امانت اور اسلام کی حقیقت ایک ہی ہے اور امانت اور اسلام دراصل محمود چیز ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ کا دیا ہوا اسی کو واپس دیا جاوے جیسے امانت واپس دی جاتی ہے پس جس نے ایک محمود اور پسندیدہ چیز کو قبول کر لیا اور خدا تعالیٰ کے حکم سے منہ نہ پھیرا اور اس کی مرضی کو اپنی مرضی پر مقدم رکھا وہ لائق مذمت کیوں ٹھہرے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اس آیت کے آگے خدا تعالیٰ فرماتا ہے لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ (الاحزاب: 74) یعنی انسان نے جو امانت اللہ کو قبول کر لیا تو اس سے یہ لازم آیا جو منافقین اور منافقات اور مشرکین اور مشرکات جنہوں نے صرف زبان سے قبول کیا اور عملاً اس کے پابند نہیں ہوئے وہ معذب ہوں اور مومنین اور مومنات جنہوں نے امانت کو قبول کر کے عملاً پابندی بھی اختیار کی وہ مورد رحمت الٰہی ہوں۔

یہ آیت بھی صاف اور صریح طور پر بول رہی ہے کہ آیت موصوفہ میں ظلوم وجہول سے مراد مومن ہیں جن کی طبیعتوں اور استعدادوں نے امانت کو قبول کر لیا اور پھر اس پر کاربند ہو گئے کیونکہ صاف ظاہر ہے کہ مشرکوں اور منافقوں نے کامل طور پر قبول نہیں کیا اور حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ میں جو انسان کے لفظ پر الف لام ہے وہ بھی در حقیقت تخصیص کے لئے ہے جس سے خدا تعالیٰ کا یہ منشاء ثابت ہوتا ہے کہ تمام انسانوں نے اس امانت کو کامل طور پر قبول نہیں کیا صرف مومنوں نے قبول کیا ہے اور منافقوں اور مشرکوں کی فطرتوں میں گو ایک ذرّہ استعداد کا موجود تھا مگر بوجہ نقصان استعداد وہ کامل طور پر اس پیارے لفظ ظلوم اور جہول سے حصہ نہ لے سکے اور جن کو بڑی قوت ملی تھی وہ کامل طور پر اس نعمت کو لے گئے۔ انہوں نے اس امانت کے قبول کرنے کا صرف

اپنی زبان سے اقرار نہیں کیا بلکہ اپنے اعمال اور افعال میں ثابت کر کے دکھلا دیا اور جو امانت لی تھی کمال دیانت کے ساتھ اس کو واپس دے دیا۔

بالآخر یہ بھی واضح رہے کہ جہول کا لفظ بھی ظلوم کے لفظ کی طرح ان معنوں میں استعمال کیا گیا ہے جو اتّقا اور اصطفا کے مناسب حال ہیں کیونکہ اگر جاہلیت کا حقیقی مفہوم مراد ہو جو علوم اور عقائد صحیحہ سے بے خبری اور ناراست اور بے ہودہ باتوں میں مبتلا ہونا ہے تو یہ تو صریح متقیوں کی صفت کے برخلاف ہے کیونکہ حقیقی تقویٰ کے ساتھ جاہلیت جمع نہیں ہو سکتی۔ حقیقی تقویٰ اپنے ساتھ ایک نور رکھتی ہے جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ یُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ۔ (الانفال: 30) وَ یَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ۔ (الحدید: 29) یعنی اے ایمان لانے والو اگر تم متقی ہونے پر ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کے لئے اتقاء کی صفت میں قیام اور استحکام اختیار کرو تو خدا تعالیٰ تم میں اور تمہارے غیروں میں فرق رکھ دے گا وہ فرق یہ ہے کہ تم کو ایک نور دیا جائے گا جس نور کے ساتھ تم اپنی تمام راہوں میں چلو گے یعنی وہ نور تمہارے تمام افعال اور اقوال اور قویٰ اور حواس میں آجائے گا تمہاری عقل میں بھی نور ہو گا اور تمہاری ایک اٹکل کی بات میں بھی نور ہو گا اور تمہاری آنکھوں میں بھی نور ہو گا اور تمہارے کانوں اور تمہاری زبانوں اور تمہارے بیانوں اور تمہاری ہر ایک حرکت اور سکون میں نور ہو گا اور جن راہوں میں تم چلو گے وہ راہ نورانی ہو جائیں گی۔ غرض جتنی تمہاری راہیں تمہارے قویٰ کی راہیں تمہارے حواس کی راہیں ہیں وہ سب نور سے بھر جائیں گی اور تم سراپا نور میں ہی چلو گے۔

اب اس آیت سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ تقویٰ سے جاہلیت ہرگز جمع نہیں ہو سکتی ہاں فہم اور ادراک حسب مراتب تقویٰ کم و بیش ہو سکتا ہے اسی مقام سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بڑی اور اعلیٰ درجہ کی کرامت جو اولیاء اللہ کو دی جاتی ہے جن کو تقویٰ میں کمال ہوتا ہے وہ یہی دی جاتی ہے کہ ان کے تمام حواس اور عقل اور فہم اور قیاس میں نور رکھا جاتا ہے اور ان کی قوت کشفی نور کے پانیوں سے ایسی صفائی حاصل کر لیتی ہے کہ جو دوسروں کو نصیب نہیں ہوتی ان کے حواس نہایت باریک بین ہو جاتے ہیں اور معارف اور دقائق کے پاک چشمے ان پر کھولے جاتے ہیں اور فیض سائغ ربّانی ان کے رگ وریشہ میں خون کی طرح جاری ہو جاتا ہے۔"

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 157 تا 179)

"آیت وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ۔ (الاحزاب: 73) بھی دلالت کر رہی ہے کہ خدا کا حقیقی مطیع انسان ہی ہے

جو اپنی اطاعت کو محبت اور عشق تک پہنچاتا ہے اور خدا کی بادشاہت کو ہزارہا بلاؤں کو سر پر لے کر زمین پر ثابت کرتا ہے۔ پس یہ طاعت جو درد دل سے ملی ہوئی ہے فرشتے اس کو کب بجالا سکتے ہیں۔منہ"

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 40 حاشیہ)

"ہم نے اپنی امانت کو جو امانت کی طرح واپس دینی چاہیئے تمام زمین و آسمان کی مخلوق پر پیش کیا۔ پس سب نے اُس امانت کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈرے کہ امانت کے لینے سے کوئی خرابی پیدا نہ ہو مگر انسان نے اس امانت کو اپنے سر پر اٹھالیا کیونکہ وہ ظلوم اور جہول تھا۔ یہ دونوں لفظ انسان کے لئے محل مدح میں ہیں نہ محل مذمت میں اور ان کے معنے یہ ہیں کہ انسان کی فطرت میں ایک صفت تھی کہ وہ خدا کے لئے اپنے نفس پر ظلم اور سختی کر سکتا تھا۔ اور ایسا خدا تعالیٰ کی طرف جھک سکتا تھا کہ اپنے نفس کو فراموش کر دے اس لئے اُس نے منظور کیا کہ اپنے تمام وجود کو امانت کی طرح پاوے اور پھر خدا کی راہ میں خرچ کر دے۔"

(براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 239)

(22) قرآن شریف کے شہاب ثاقب کے بارہ میں بیان پر اعتراض کیا جاتا ہے اس کا جو جواب حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے دیا ہے اس میں ایک قرآنی ترتیب نظر آتی ہے یعنی مادی نظام کے پیچھے ایک روحانی نظام بھی ہے، آپؑ فرماتے ہیں:

"اِلَّا مَنۡ خَطِفَ الۡخَطۡفَةَ فَاَتۡبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ۔(الصافات:11) جبکہ ایک مومن سب باتوں پر خدا تعالیٰ کو مقدم کر لیتا ہے تب اس کا خدا کی طرف رفع ہوتا ہے۔ وہ اسی زندگی میں خدا تعالیٰ کی طرف اٹھایا جاتا ہے اور ایک خاص نور سے منور کیا جاتا ہے۔ اس رفع میں وہ شیطان کی زَد سے ایسا بلند ہو جاتا ہے کہ پھر شیطان کا ہاتھ اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ ہر ایک چیز کا خدا تعالیٰ نے اس دنیا میں بھی ایک نمونہ رکھا ہے اور یہ اسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ شیطان جب آسمان کی طرف چڑھنے لگتا ہے تو ایک شہاب ثاقب اس کے پیچھے پڑتا ہے جو اس کو نیچے گرا دیتا ہے۔ ثاقب روشن ستارے کو کہتے ہیں۔ اس چیز کو بھی ثاقب کہتے ہیں جو سوراخ کر دیتی ہے اور اس چیز کو بھی ثاقب کہتے ہیں جو بہت اونچی چلی جاتی ہو۔ اس میں حالت انسانی کے واسطے ایک مثال بیان کی گئی ہے جو اپنے اندر ایک نہ صرف ظاہری بلکہ ایک مخفی حقیقت بھی رکھتی ہے۔ جب ایک انسان کو خدا تعالیٰ پر پکّا ایمان حاصل ہو جاتا ہے تو اس کا خدا تعالیٰ کی طرف رفع ہو جاتا ہے اور اس کو ایک خاص قوت اور طاقت اور روشنی عطا کی جاتی ہے جس کے ذریعہ سے وہ شیطان کو نیچے گرا دیتا ہے۔ ثاقب مارنے والے کو بھی کہتے ہیں۔ ہر

ایک مومن کے واسطے لازم ہے کہ وہ اپنے شیطان کو مارنے کی کوشش کرے اور اسے ہلاک کر ڈالے جو لوگ روحانیت کی سائنس سے ناواقف ہیں وہ ایسی باتوں پر ہنسی کرتے ہیں مگر دراصل وہ خود ہنسی کے لائق ہیں۔ ایک قانون قدرت ظاہری ہے ایسا ہی ایک قانون قدرت باطنی بھی ہے۔ ظاہری قانون باطنی کے واسطے بطور ایک نشان کے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اپنی وحی میں فرمایا ہے کہ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ الثَّاقِبِ یعنی تو مجھ سے بمنزلہ ثاقب ہے۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ میں نے تجھے شیطان کے مارنے کے واسطے پیدا کیا ہے۔

تیرے ہاتھ سے شیطان ہلاک ہو جائے گا۔ شیطان بلند نہیں جا سکتا۔ اگر مومن بلندی پر چڑھ جائے تو شیطان پھر اس پر غالب نہیں آسکتا۔ مومن کو چاہیئے کہ وہ خدا تعالیٰ سے دعا کرے کہ اس کو ایک ایسی طاقت مل جائے جس سے وہ شیطان کو ہلاک کر سکے۔ جتنے بُرے خیالات پیدا ہوتے ہیں ان سب کا دور کرنا شیطان کو ہلاک کرنے پر منحصر ہے۔ مومن کو چاہیئے کہ استقلال سے کام لے ہمت نہ ہارے شیطان کو مارنے کے پیچھے پڑا رہے آخر وہ ایک دن کامیاب ہو جائے گا۔ خدا تعالیٰ رحیم و کریم ہے جو لوگ اس کی راہ میں کوشش کرتے ہیں وہ آخر ان کو کامیابی کا منہ دکھا دیتا ہے۔ بڑا درجہ انسان کا اسی میں ہے کہ وہ اپنے شیطان کو ہلاک کرے۔“

(ملفوظات جلد 10 صفحہ 77 تا 79 ایڈیشن 2022ء)

(جاری ہے)



حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت وسوانح پر 79 کے قریب لکھی جانے والی کتب کا تعارف

قسط ششم

(اے۔ولیم)

اب دیکھتے ہو کیسا رجوع جہاں ہوا

44:حیات مہدی دوراں

مصنفہ:مولانا محمد اشرف ناصر صاحب　　کل صفحات:365

ناشر:یو۔زیڈ۔تاثیر　　مطبع:اے جے ایس پرنٹرز ہاکی اسٹیڈیم کراچی

سن اشاعت الگ سے تو کتاب میں درج نہیں البتہ کتاب کے آخری صفحہ پر مصنف کی طرف سے نقطۂ آخر کے عنوان سے چند سطریں لکھی ہیں ان کے آخر پر تاریخ 19 اپریل 1990ء درج ہے۔

سوانحی تعارف:

مولانا محمد اشرف ناصر صاحب مربی سلسلہ 1936 میں چوہدری سلطان احمد صاحب گجراتی کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنی زندگی خدمت دین کے لئے وقف کی اور پاکستان اور بیرونی ممالک میں بھی اس فرض کو ادا کیا۔ آپ کی وفات 9 جولائی 1992ء کو ہوئی اور آپ بہشتی مقبرہ ربوہ میں مدفون ہوئے۔

تعارف کتاب:

کتاب کا اسلوب بہت حد تک "حیات طیبہ" (از شیخ عبد القادر سوداگر مل) سے ملتا جلتا ہے یعنی سوانحی انداز نمایاں ہے۔ سن وار واقعات کا بیان ہے۔ البتہ بعض جگہ موجودہ حالات کے مطابق تفصیلات بھی ہیں مثلاً جب مسئلہ جہاد کا ذکر کیا ہے تو مناسب رنگ میں اس کی تفصیلات بھی درج کر دی ہیں۔ اسی طرح کسوف

وخسوف، براہین احمدیہ، پیشگوئی احمد بیگ، فتویٔ کفر، انگریزوں کا خود کاشتہ پودا، مولوی ثناء اللہ امرتسری کے ساتھ فیصلہ وغیرہ کی قدرے تفصیل سے بحث کی ہے۔ کتاب کے اندر کچھ اہم تصاویر بھی ہیں لیکن ان کی اہمیت کے اعتبار سے تصویروں کی طباعت شایانِ شان نہیں ہے۔

45: مخالفین حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا انجام

مصنفہ: ڈاکٹر منظور احمد صاحب کراچی صفحات: 416

مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ

سوانحی تعارف:

1931ء میں میرپور آزاد کشمیر میں پیدا ہوئے۔ ایم ایس سی زوالوجی (Zoology) کراچی یونیورسٹی سے کی اور کچھ عرصہ اسی یونیورسٹی میں لیکچرار بھی رہے۔ کمپالہ یونیورسٹی یوگنڈا میں بھی آپ کچھ عرصہ پڑھاتے رہے۔

تعارف کتاب:

کتاب پر سن اشاعت اور دیگر معلومات درج نہیں ہیں۔ البتہ تمہید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب 1990ء کے بعد لکھی گئی اور مصنف یہ کتاب دو حصوں میں لکھ رہے تھے۔ اور کتاب کے پیش لفظ سے معلوم ہوتا ہے جو کہ ان کی ہونہار بیٹی محترمہ شاہدہ قدیر صاحبہ نے لکھا ہے۔

کہ 1992ء میں ان کے والد یعنی مصنف کتاب ہذا کی وفات ہوگئی تھی اور اسکے بعد یہ کتاب شائع کروائی گئی۔ مصنف کی اولاد کی طرف سے انتہائی دانشمندانہ فیصلہ تھا کہ مرحوم کی اس محنت اور تحقیق کو نہ صرف ضائع ہونے سے بچالیا بلکہ جماعت کے علمی حلقوں کے لئے ایک مفید مواد مہیا کرتے ہوئے اپنے والد کی طرف سے صدقہ جاریہ کے طور پر یہ کتاب احمدیت کی سرزمین پر ایک سایہ دار درخت کی مانند مہیا کر دی۔

اس کتاب کے دس باب ہیں۔ پہلا باب حضرت اقدسؑ کی سوانح اور بعض اہم واقعات پر مشتمل ہے، دوسرے باب میں آپؑ کے دعاوی اور چوتھے باب میں ان دعاوی کی تشریحات کا ذکر ہے۔ باقی ابواب میں آریہ سماج، عیسائیت اور دیگر مذہبی تحریکات اور انکے عمائدین سے حضرت اقدسؑ کے علمی اور روحانی مقابلوں اور ان میں برتری کی تفصیلات ہیں۔ اور جیسا کہ کتاب کے عنوان سے ظاہر ہے کہ ان مخالفین کی ذلت وناکامی اور عبرتناک انجام کا ذکر ہے۔ کتاب کے آخری اور دسویں باب میں حضرت اقدس علیہ السلام اور جماعت احمدیہ کے بارہ میں غیروں کی آراء اور تاثرات کا بیان کیا گیا ہے۔

46: شمائل احمد علیہ السلام

مرتبہ: سید مبشر احمد ایاز　　صفحات: 110

سن طباعت: اندازاً 2002ء　　ناشر: مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

پبلشر: عزیز احمد　　مطبع: شیخ طارق محمود پانی پاتی بلیک ایرو پرنٹرز

تعارف کتاب:

یہ کتاب شعبہ اشاعت مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔ مہتمم اشاعت مکرم شمشاد احمد قمر صاحب اپنے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

"مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان نے فیصلہ کیا کہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے رضی اللہ عنہ کے پیش کردہ اس طرز تحریر کے مطابق ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کے بارے میں مزید واقعات و روایات تلاش کر کے خدام و اطفال کی تربیت کے لئے پیش کی جائیں۔ چنانچہ سید مبشر احمد ایاز نائب صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان نے اس بارے میں تحقیق کر کے بہت سا نیا مواد تلاش کیا اور زیر نظر کتاب تیار کی ہے۔ اس کتاب کی تیاری میں پرانی کتاب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے تاہم اس کا نام "شمائل احمدؑ" ہی رکھا گیا ہے تاکہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے کے تجویز فرمودہ نام کی برکت سے ہم محروم نہ رہیں۔"

اس کتاب میں 15 مزید عناوین [مثلاً مقدس چہرہ، حلیہ مبارک، محبت الٰہی، محبت رسول ﷺ، محبت قرآن، حدیثِ نبوی، انبیاء علیہم السلام، صحابہ و اہل بیت، ائمہ و فقہاء امت، پاکیزہ جوانی، عجز و انکسار، بچوں سے شفقت، عیادت، عہد دوستی، دوستوں سے حسن سلوک، دشمنوں سے حسن سلوک، سنت رسولؐ کی اتباع، السلام علیکم کی عادت، تبسم، حفاظت الٰہی، انجام وغیرہ] شامل کرتے ہوئے کل 44 عناوین قائم کئے گئے اور پرانے عناوین میں کچھ واقعات کا مزید اضافہ بھی کیا گیا۔ کتاب کے آخر پر کچھ مشکل الفاظ کے معانی بھی دئے گئے ہیں۔ اس کتاب کا پیش لفظ مکرم سید محمود احمد شاہ صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ نے تحریر فرمایا۔ کتاب پر سن اشاعت درج نہیں ہے۔

47: محبت کے ملک کی بادشاہت سیرت مسیح موعود کی فلاسفی اور معرفت از تحریرات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

تالیف: ملک محمد سلیم شاہد　　صفحات: 70

سن اشاعت: فروری 2003ء　　طباعت: لاہور آرٹ پریس نیو انارکلی لاہور

تعارف کتاب:

اس مختصر سی کتاب میں حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی محبت الٰہی، محبت رسول ﷺ، قرآن کریم سے محبت، آپ کا زہد و تقویٰ، مخلوق سے ہمدردی وغیرہ کے بارہ میں حضورؑ کی ہی تحریرات سے انتخاب کیا گیا ہے۔

48: حضرت بانی سلسلہ احمدیہ مسلم ہندوستان اور انگریز

مصنفہ: جمیل احمد بٹ صاحب　　صفحات: 440

طبع اول: مارچ 2003ء　　پرنٹر: شاہد پرنٹنگ سروسز

سوانحی تعارف:

جمیل احمد بٹ صاحب ابن مکرم خواجہ عبدالرحیم صاحب، تاریخ پیدائش 17 مارچ 1946ء، ایڈیٹر ماہنامہ "المصلح" تعلیم B.Com, F.C.M.A (Fellow Member of Institute of Cost and Management Accountants of Pakistan)

تعارف کتاب:

فضل عمر فاؤنڈیشن کی طرف سے انعام یافتہ مقالہ (1981ء) کو مصنف نے 2003ء میں کتابی صورت میں شائع فرمایا ہے۔ محترم حافظ مظفر احمد صاحب نے اس مقالہ کا پیش لفظ تحریر فرمایا ہے جو خود اس مقالہ کی اہمیت اور افادیت کا ایک جامع تبصرہ اور نوٹ کہلانے کا مستحق ہے۔ ابتدائیہ اور پیش منظر کے علاوہ اس کتاب کے چھ ابواب ہیں:

باب اول میں ہندوستان میں انگریزی حکومت، اس کا مقصد اور مفاد، عیسائیت کی تبلیغ کے لئے انگریز حکومت کی مساعی کا ذکر ہے۔

دوسرے باب میں مسلم ہندوستان اور انگریز کے عنوان سے تفصیلات ہیں جس میں عامۃ المسلمین اور عمائدین کا انگریزوں کی تعریف اور تعاون و خوشامد اور تعلقات کی دیگر تفصیلات موجود ہیں، ان تفصیلات کے بعد جو کہ گویا ایک تمہید تھی مصنف نے باب سوم میں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ اور انگریز کے عنوان سے آپؑ

کی عیسائیت کے خلاف مجاہدانہ مساعی کا ذکر کیا ہے جس میں برطانوی حکام سمیت ملکہ وکٹوریہ کو دعوت اسلام کی تفصیلات ہیں۔ چوتھے باب میں بانیٔ سلسلہ اور جہاد کی تفصیلات ہیں اور پانچواں ایک اہم باب اس موضوع پر ہے جو عموماً کم سامنے آتا ہے یعنی انگریزوں کا حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ سے سلوک اور چھٹے باب میں براہ راست اس الزام کا جواب ہے جو حضرت اقدس علیہ السلام کی ذات پر لگایا جاتا ہے یعنی انگریز کا ایجنٹ ہونے کا الزام۔

کتاب کے آخر میں کتابیات کے عنوان سے ان کتب و رسائل کی فہرست دی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کس قدر تحقیق اور محنت کے ساتھ مصنف نے یہ ٹھوس علمی مقالہ تحریر فرمایا ہے۔

49: سیرت حضرت احمد علیہ السلام

مصنفہ: محترم لئیق احمد طاہر صاحب یوکے لندن کل صفحات: 127

سن اشاعت: فروری 2004ء　　طباعت: پرنٹ ویل امرتسر انڈیا

سوانحی تعارف:

لئیق احمد طاہر صاحب 7 اپریل 1942ء میں قادیان میں پیدا ہوئے۔ جامعہ احمدیہ ربوہ سے 1965ء میں شاہد کی ڈگری حاصل کی۔ پنجاب یونیورسٹی سے بی اے اور مولوی فاضل Arabic Hons کیا۔ مولوی فاضل میں یونیورسٹی میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔ لنڈن یونیورسٹی سے انگریزی زبان کا ڈپلومہ (وائس پروڈکشن اینڈ چیئرمین شپ) Voice Production and Chairmanship حاصل کیا۔ جامعہ احمدیہ میں تعلیم کے دوران امتیاز کے ساتھ ادیب عالم کا امتحان پاس کیا اور اردو ادب سوسائٹی کی طرف سے منعقدہ انعامی مقابلہ "کتاب بہترین ساتھی ہے" میں گولڈ میڈل حاصل کیا۔

8 جولائی 1967ء کو پہلی بار سیدنا حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ہمراہ کراچی سے عازم انگلستان ہوئے۔ اور بطور نائب امام مسجد فضل لنڈن تقریباً چار سال خدمت کی توفیق پائی۔ اس کے بعد پاکستان واپس تشریف لے آئے اور وکالت تصنیف میں ڈیڑھ سال کام کرنے کی توفیق پائی۔ 1982ء تک جامعہ احمدیہ ربوہ میں موازنہ مذاہب کا مضمون سینئر کلاسز کو پڑھاتے رہے۔ 1982ء میں نائب وکیل التبشیر کے طور پر بھی کام کرنے کی سعادت حاصل کی۔ 1986ء میں واشنگٹن ڈی سی میں تبلیغی سرگرمیوں کے بعد برطانیہ میں آپ کا تقرر ہوا۔ برطانیہ میں بطور ریجنل مشنری اور پرنسپل جامعہ احمدیہ خدمت کی توفیق پائی۔ دسمبر 2025ء میں آپ کی وفات ہوئی۔ مورخہ 19 دسمبر 2025ء کو حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے خطبہ جمعہ میں آپ کا ذکر خیر فرمایا۔

جن دنوں روزنامہ الفضل پر پابندی عائد تھی لندن سے ایک عرصہ تک پندرہ روزہ "النصر" شائع ہوتا رہا اور آپ کو اس کی ادارت کی توفیق ملتی رہی۔

تعارف کتاب:

کتاب کا پورا نام ہے:"سیرت حضرت احمد علیہ السلام:یعنی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود کی ولولہ انگیز سیرت طیبہ کے چند ایمان افروز پہلوؤں کا حسین تذکرہ"

اس کتاب کے ابتدائی 34 صفحات میں آپ کی سوانح اور چند ایک اہم واقعات اور پیشگوئیوں کا اختصار سے ذکر ہے اور صفحہ 35 سے آپؑ کے شمائل اور سیرت کا تذکرہ ہے۔ جس میں صبر و تحمل، مہمان نوازی، حسن سلوک، راستبازی وغیرہ چند پہلوؤں کا تذکرہ ہے اور وفات کا ذکر ہے اور وفات پر غیروں کی آراء درج ہیں۔ آخری چند صفحات میں مختصر سوانحی خاکہ بھی درج کیا گیا ہے۔

50:سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام

مصنفہ:امۃ الحئ احمد　　کل صفحات:54

اس کتاب کی ناشر Islam International Publication Ltd ہے۔

مطبع:Raqeem Press Sheephatch Lane Tilford, Surrey GU102AQ U.K

سوانحی تعارف:

جماعت کے نامور عالم اور خطیب حضرت مولانا عبد المالک خان صاحبؓ (مرحوم) ناظر اصلاح و ارشاد کی صاحبزادی ہیں۔ اور مربی سلسلہ احمدیہ مکرم سید حسین احمد صاحب کی اہلیہ ہیں۔

تعارف کتاب:

2008ء میں یہ کتاب شائع ہوئی۔ ٹائٹل پیج پر "بسلسلہ خلافت احمدیہ صد سالہ جوبلی" لکھا ہوا ہے جو اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ خلافت جوبلی کے سلسلہ میں جو کتب و رسائل شائع ہو رہے ہیں ان میں سے ایک یہ کتاب ہے اور اسی صفحہ پر ہی لجنہ اماء اللہ بھی لکھا ہوا ہے یعنی لجنہ اماء اللہ کے زیر اہتمام یہ کتاب شائع کی جا رہی ہے۔

ٹائٹل پر تو نام امۃ الحئ احمد ہے، اور کتاب کے آخر پر جو نام لکھا ہوا ہے وہ امۃ الحئ فضیلت ہے۔

یہ بنیادی طور پر بچوں کے لئے دلنشین انداز میں لکھی گئی ایک کتاب ہے۔ بچوں کو سمجھانے کے انداز میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے والدین کن اعلیٰ اخلاق اور خوبیوں کے مالک تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے پاکیزہ بچپن کا بیان ہے، آپؑ کی تعلیم اور خاندان کا تعارف آسان زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مصنفہ نے حضور علیہ السلام کی سیرت و سوانح کے واقعات کا انتخاب کرتے ہوئے کوشش کی ہے کہ اہم ترین واقعات کے ساتھ ساتھ مکمل خاندانی تعارف بھی بچوں کے علم میں آجائے۔ وہ بچوں کو بیان کرتے ہوئے

جہاں مناسب معلوم ہوتا ہے نصیحت کا انداز بھی اختیار کرتی ہیں۔ اور مصنفہ کا یہ انداز اور جذبہ قابل تحسین اور دلنشین رنگ لئے ہوئے ہے۔ کتاب کے صفحہ 52 پر حضورؑ کے کھانوں کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد وہ بیان کرتی ہیں:

"کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھویا کرتے۔ سردیوں میں اکثر گرم پانی استعمال فرماتے اور کپڑے یا تولیہ سے ہاتھ پونچھا کرتے۔۔۔۔ آپ علیہ السلام ہر قسم کی غذائیں کھاتے۔ یہ مزاج نہ تھا کہ فلاں چیز ناپسند ہے یا نہیں کھانی۔ جیسے بعض بچے کرتے ہیں کہ دودھ نہیں پینا یا فلاں پھل نہیں کھانا۔ اس طرح ہر قسم کی غذا کھانے سے انسان بڑے بڑے کاموں کا اہل ہو جاتا ہے کیونکہ یہ سب نعمتیں خدا تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔"

51: حضرت مسیح موعودؑ کے چیلنج اور رد عمل و نتائج و اثرات

مصنفہ: مبشر احمد خالد صاحب — صفحات: 418

تاریخ اشاعت: مارچ 2008ء — ناشر: حافظ عبد الحمید

مطبع: عرفان افضل لاہور

سوانحی تعارف:

مبشر احمد خالد صاحب ابن ولی محمد صاحب، بجکہ شریف نزد بھیرہ، سے تعلق رکھتے ہیں۔ 1984ء میں جامعہ احمدیہ ربوہ سے شاہد پاس کیا۔ بعد ازاں علم کلام میں تخصص کیا۔ اب تک جو کتب تصنیف کر چکے ہیں ان میں جماعت احمدیہ کا تعارف، نظام خلافت اور خلافت احمدیہ کے سو سال، کرامات دعا اور دعوت الی اللہ شامل ہیں۔

تعارف کتاب:

فضل عمر فاؤنڈیشن کے تحت لکھا جانے والا یہ انعامی مقالہ محترم مبشر احمد خالد صاحب مربی سلسلہ احمدیہ نے تحریر فرمایا ہے۔ یہ مقالہ دو حصوں میں ہے جس میں علمی و روحانی چیلنجز کو مصنف نے اپنی ایک ترتیب کے مطابق درج کیا ہے۔ پہلے باب میں وفات و حیات مسیح کے تحت 32 چیلنج درج ہیں، دوسرے باب میں کتب نویسی کے عنوان کے تحت براہین احمدیہ، سرمہ چشم آریہ، اعجاز احمدی اور بعض دوسری کتب کے متعلق چیلنجز کا ذکر ہے، تیسرا باب تفسیر نویسی کے پہلو سے دئے جانے والے چیلنجز کے متعلق ہے۔ چوتھے باب میں کسوف و خسوف اور پانچویں باب میں قرآن کریم اور دیگر مقدس کتب۔ چھٹے باب میں عربی دانی اور ساتویں باب میں دیگر متفرق علمی چیلنجز کی تفصیلات ہیں۔ حصہ دوم میں جو روحانی چیلنج کے عنوان سے ہے اس میں پیشگوئیوں،

نشان نمائی، استجابت دعا، مباہلہ اور دیگر متفرق روحانی چیلنجز تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

52: جاء الحق خود نوشت ذاتی سرگزشت

صفحات:95

مطبوعہ: نقوش پریس لاہور　　طابع: حکیم محمد عبد اللطیف شاہد صاحب

ناشر: حکیم محمد عبد اللطیف شاہد صاحب مین بازار گوالمنڈی لاہور

تعارف کتاب:

95 صفحات کا یہ کتابچہ حضرت اقدس علیہ السلام کے ان خود نوشت سوانح پر مبنی ہے جو آپؑ نے اپنی تصنیف کتاب البریہ میں رقم فرمائے ہیں۔ البتہ کہیں کہیں ناشر نے حاشیہ میں اپنی طرف سے چند سطور درج کی ہیں۔

53: پیشگوئی اسمہٗ احمد یعنی حضرت نبی کریم ﷺ سے حضرت مسیح موعودؑ کا عشق

صفحات:80

پبلشر: ملک محمد عبد اللہ نے اللہ بخش سٹیم پریس قادیان میں باہتمام چوہدری اللہ بخش پرنٹر چھپوا کر قادیان سے شائع کیا۔

تعارف کتاب:

حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ ناظر دعوت و تبلیغ قادیان کی تقریر ہے جو جماعت احمدیہ کے جلسہ سالانہ 1935ء کے موقعہ پر انہوں نے کی۔ تقریر کے ابتدائی فقرات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جلسہ سالانہ 1934ء کے موقعہ پر بھی اسی عنوان سے تقریر کی گئی تھی۔

1935ء (یہ تقریر بھی بعد میں کتابی شکل میں شائع ہوگئی تھی "اسمہٗ احمد" کے نام سے ہی) کے جلسہ پر کی جانے والی تقریر کو کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ فاضل اور بزرگ مقرر حضرت ولی اللہ شاہ صاحبؓ آغاز میں شان محمدیت اور شان احمدیت کے متعلق امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحریر کا ایک اقتباس درج کرتے ہیں جو ان کی کتاب "مبدء ومعاد" کے صفحہ 48 پر ہے۔ اس کا ترجمہ زیر نظر کتاب کے صفحہ 2 پر دیا گیا ہے۔ جس میں وہ لکھتے ہیں:

"یعنی ایک ہزار سال ہجری پر چند سال گزرنے کے بعد ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ حقیقت محمدیہ عروج کرکے حقیقت کعبہ کے ساتھ متحد ہو جائے گی اور اسوقت حقیقت محمدی احمدی کا نام پائیگی۔ اور

ذات احدیت کی مظہر ہو جائے گی اور یہ دونوں مبارک نام ایک ہی شخص میں متحقق ہوں گے۔ اور پہلا مقام حقیقت محمدیہ سے اس وقت تک خالی رہے گا۔ جب تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرماویں اور شریعت محمدیہؐ پر عمل کریں۔ اس وقت حقیقت عیسویہ اپنے مقام سے عروج کرکے حقیقت محمدیہ کے اس مقام کو جو خالی تھا پُر کرے گی۔"

اس خوبصورت تمہید کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عشق رسول ﷺ کی بابت آپؑ کی تحریرات اور خاص طور پر منظوم عربی کلام کے پھولوں کا ایک گلدستہ پیش کیا گیا ہے۔ جس کی خوشبو سے قلب وجان کارواں رواں معطر ہو جاتا ہے۔

54: شمائل احمد علیہ السلام

مصنفہ: مجلس خدام الاحمدیہ قادیان　　کل صفحات:100

تعارف کتاب:

خدام اور اطفال کی تربیت کے لئے مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی طرف سے یہ کتابچہ پہلی مرتبہ 1944ء میں شائع کیا گیا۔ طبع دوم 1972ء اور طبع سوم 1973ء میں دو ہزار کی تعداد میں شائع ہوئی۔ اس طبع سوم کے ناشر محمد شفیق قیصر صاحب مہتمم اشاعت مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ پاکستان تھے۔ اس کتاب کا تعارف حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا تحریر فرمودہ ہے اور یہ نام بھی آپؓ کا تجویز کردہ ہے۔ اس کی ترتیب اور نظر ثانی بھی آپؓ نے فرمائی۔ جیسا کہ طبع اول کے پیش لفظ میں اس کا ذکر ہے۔ بنیادی طور پر یہ اطفال کے امتحان کے نصاب کے طور پر تیار کی گئی لیکن بعد ازاں خدام کے امتحان کا نصاب بھی قرار پائی۔ یہ جملہ تفصیلات مشتاق احمد صاحب مہتمم اطفال نے اسی کتاب کے طبع اول کے دیباچہ میں بیان فرمائی ہیں۔ اس کتاب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کے مختلف واقعات و روایات بیان کی گئی ہیں جو 29 عناوین کے تحت ہیں مثلاً دین کے لئے محبت و غیرت، خدمت دین کا جذبہ، نوافل کی طرف رغبت، راست گفتاری، رحم دلی وغیرہ

55: سیرت و سوانح حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام اور آپ کی تعلیم و جماعت کے مختصر حالات

صفحات:34　　سن اشاعت: ستمبر 1953ء

مطبع: ہمدرد پریس کوچہ چیلان دہلی

ناشر: ناظر دعوت و تبلیغ سلسلہ عالیہ احمدیہ قادیان

تعارف کتاب:

یہ کتاب بنیادی طور پر سلسلہ احمدیہ اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے تعارف پر مشتمل ہے۔ جو مکرم محمد حفیظ بقاپوری صاحب مولوی فاضل معاون ناظر دعوت و تبلیغ قادیان نے 2 دسمبر 1953ء کو تحریر فرمائی۔

56: سوانح حضرت مسیح موعود علیہ السلام

صفحات: 68 تاریخ اشاعت: 24 دسمبر 1924ء

ناشر: کارپردازان دائرۃ المعارف لاہور

مطبع: کوا پریٹو سٹیم پریس۔ وطن بلڈنگز لاہور

تعارف کتاب:

کتاب کے دیباچہ میں تحریر ہے:

”حضرت مسیح موعود کے سوانح زندگی مرتب کرنا ایک بڑا عظیم الشان کام ہے جو کئی مجلدات میں پھیل سکتا ہے۔ اس کام کو کماحقہ سرانجام دینا جماعت کے بعض دیگر چیدہ اصحاب کا کام ہے۔ جن میں سے بعض نے اپنے اس عزم کا پیشتر سے اعلان بھی کر رکھا ہے۔ ان صفحات میں ہم نے کوشش کی ہے کہ آپ کی زندگی کا ایک چھجکتا سا نقشہ ناظرین کرام کے سامنے رکھ دیا جائے تاکہ جس وقت تک کوئی زیادہ مبسوط اور مکمل لائف شائع نہ ہو آپ کے زندگی کے اہم واقعات اور آپ کی سیرت اور اخلاق سے ہمارے احباب کرام اور دوسرے اصحاب ایک حد تک واقف ہو جائیں۔ اور كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ[1] (التوبہ: 119) کے ارشاد الٰہی کی تعمیل میں اس پاک انسان کے نقش قدم پر چل سکیں۔“

کتاب کا پہلا باب حضرت مسیح موعودؑ کے نسب اور خاندانی تعارف پر مشتمل ہے۔ قادیان کی آبادی اور سکھوں کے قبضہ وغیرہ کی تفصیلات ہیں۔ اس ضمن میں کتاب کے صفحہ 4 کا ایک اقتباس قابل ذکر ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ:

”...اور میرزا عطا محمد صاحب کو معہ عیال واطفال وہاں سے ہجرت کر کے کسی ریاست میں پناہ لینی پڑی۔ بعض معتبر لوگوں کا بیان ہے کہ ریاست کپورتھلہ میں چلے گئے تھے جہاں والیٔ ریاست نے پانچ گاؤں اس وقت تک کے لئے ان کی ملکیت کر دئے جب تک کہ سابقہ جاگیر پھر انہیں واپس نہ مل گئی۔ ان پانچ دیہات کے لئے آپ کے خاندان کے بعض لوگوں نے اس وقت بھی جب قادیان دوبارہ انہیں مل گیا۔ اپنا حق ملکیت

1۔ ترجمہ: صادقوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

ظاہر کیا اور ریاست کپورتھلہ سے اس کے لئے درخواست کی۔ ریاست نے حضرت مسیح موعودؑ میرزا غلام احمد صاحب کو حکم ٹھہرایا۔ حضرت میرزا صاحب نے صاف کہا کہ یہ پانچ گاؤں اس وقت تک ہمارے تھے جب تک قادیان پر ہمیں دوبارہ قبضہ نہ ملا اس پر خاندان کے لوگوں نے برا منایا لیکن آپ نے فرمایا راستی موجب رضائے خداست۔ ہمیں کسی فائدہ کے لئے جھوٹ بولنے کی قطعاً ضرورت نہیں...“

کتاب میں اس مذکورہ بالا روایت کا کوئی حوالہ درج نہیں ہے کہ اس روایت کا ماخذ کیا ہے یا راوی کون ہے۔ بے شک یہ روایت بعض پہلوؤں سے دلچسپ بھی ہے لیکن بغیر کسی مستند راویوں کے یا ثقہ ماخذ کے اس پر کوئی بنیاد رکھنا مشکل امر ہو گا۔

خاکسار نے اسی کتاب کے آخری باب میں قادیان کی تاریخ کی بابت لکھا ہے جس میں یہ بحث بھی موجود ہے لیکن خاکسار کے علم میں ابھی تک کوئی ایسی روایت نہیں آئی جس کی تائید مذکورہ بالا روایت میں ہو بلکہ اس کے برعکس ایک اور روایت موجود ہے جو اپنی ثقاہت کے اعتبار سے بھی برتر ہے اور قیاساً بھی وہ معقول تر ہے۔ اس کے مطابق کپورتھلہ کے راجہ فتح سنگھ نے نہ صرف اعلیٰ درجہ کی مہمان نوازی کی بلکہ اس نے مرزا عطا محمد صاحب کو جاگیر کے طور پر گاؤں بھی پیش کئے لیکن انہوں نے شکریہ کے ساتھ اس پیشکش کو واپس کر دیا اور اس میں ایک خاندانی وقار اور عزت نفس کے ساتھ ساتھ اپنی اولاد کے لئے خاندانی روایات برقرار رکھنے کا ایک سبق بھی تھا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”راجہ فتح سنگھ نے مرزا عطا محمد صاحب کو دو گاؤں کی پیشکش کی لیکن انہوں نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا کہ اگر ہم نے یہ گاؤں لے لئے تو پھر یہیں رہ پڑیں گے اور اس طرح اولاد کی ہمت پست ہو جائے گی اور اپنی خاندانی روایات قائم رکھنے کا خیال ان کے دل سے جاتا رہے گا۔“

(رپورٹ مجلس مشاورت 1937ء صفحہ 20، بحوالہ تاریخ احمدیت جلد اول باب خاندانی حالات صفحہ 34)

بہر حال یہ تو ضمنی طور پر یہاں ذکر آ گیا۔ اس کتاب کے دوسرے باب میں حضرت اقدسؑ کی پیدائش اور طفولیت اور جوانی کے حالات درج ہیں۔ تیسرا باب سلسلہ مکالمات الٰہیہ کے عنوان سے ہے۔ چوتھا باب خدمت اسلام اور دعویٰ مجددیت کی تفصیلات لئے ہوئے ہے۔

پانچواں باب دعویٰ مسیحیت و مہدویت اور لوگوں کی مخالفت کے بیان پر ہے۔ چھٹا باب مخالفین کی یورشیں اور خدا تعالیٰ کے قہری نشانات، ساتواں باب دعوت الی الحق، نواں باب وصیت اور وفات اور دسواں

باب خصائل و اخلاق کے بیان پر مشتمل ہے۔

57: نبذۃ من حیات احمد علیہ السلام (عربی ترجمہ)

مصنفہ: محترم ملک مبارک احمد صاحب　　صفحات:64

ناشر: وکالت تبشیر تحریک جدید ربوہ پاکستان　　مطبع: ثار آرٹ لاہور پاکستان

تعارف کتاب:

یہ کتاب دراصل حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی تقریر کا عربی ترجمہ ہے جو آپؓ نے جلسہ سالانہ ربوہ 1959ء کے موقع پر فرمائی تھی۔ جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عشق الٰہی، عشق رسول اللہ ﷺ اور شفقت علیٰ خلق اللہ جیسے سیرت کے پہلوؤں کا بیان ہے۔

58: السیرۃ المطہرۃ سیرت و سوانح حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام (بزبان عربی)

مصنفہ: مصطفیٰ ثابت صاحب　　صفحات:795

طبع اول:2006ء

ناشر: الشرکۃ الاسلامیۃ انگلینڈ مطبع William Clowes Ltd, Beccles, Suffolk Great Britain

سوانحی تعارف:

آپ کی پیدائش فروری 1936ء میں مصر میں ہوئی۔ مطالعہ کے بعد خود بیعت کی، 1971ء سے آپ کینیڈا میں تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ارشاد پر آپ نوکری چھوڑ کر لندن چلے آئے، عرب اور یورپی ممالک کے تبلیغی دورے کئے۔ رقیم پریس اور عربی رسالہ التقویٰ کے اجراء میں نمایاں کام کیا، اس عربی رسالہ کے مدیر بھی رہے۔ آپ کو دارالنّشر کی طرف سے اعزازی ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی گئی۔ آپ کی وفات 5 اگست 2010ء کو لندن میں ہوئی۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے 9 اگست 2010ء کو پڑھائی، حضور انور نے تابوت کھلوا کر کچھ دیر کے لئے ان کی پیشانی پر اپنا دست مبارک اس طرح رکھا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ[1] والی انگوٹھی ان کی پیشانی کو مس کر رہی تھی۔ آپ کی تدفین بروک ووڈ (ووکنگ) کے احمدیہ قبرستان میں ہوئی اور حضور انور نے اپنے دست مبارک سے خود تابوت کو لحد میں اتارا۔

1۔ ترجمہ: کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے؟

تصنیفات: اسراء و معراج اور جنّوں کی حقیقت پر دو رسالے محکمۃ الفکر، اجوبۃ عن الایمان، الاسلام الدین الحی، معجزۃ الفلکیۃ، دلائل صدق الانبیاء، نیز حضرت چوہدری سر ظفر اللہ خاں صاحبؓ کی کتاب "نور الدین" اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی کتاب "Revelation, Rationality, Knowledge & Truth" کا عربی میں ترجمہ کیا۔ اسی طرح Five Volume کی کمنٹری کی پہلی جلد کا بھی عربی میں ترجمہ کیا۔

تعارف کتاب:

اصل کتاب تو 709 صفحات تک ہے اس کے بعد کے صفحات مراجع مصادر اور انڈیکس وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ یہ کتاب سیرت کے علاوہ سوانح اور صداقت حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق بھی وسیع مواد پر مشتمل ہے۔

59: Life and Teachings of Hazrat Mirza Ghulam Ahmad

مصنفہ: Moulvi Muzaffarudin Chauhdry کل صفحات: 18

سوانحی تعارف:

مکرم و محترم مولوی مظفر الدین صاحب بی اے، حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے پرائیویٹ سیکرٹری بھی رہے جیسا کہ کتاب کے ٹائٹل پیج پر یہ ذکر ہے۔

تعارف کتاب:

کل 18 صفحات کا یہ رسالہ ہے پہلا ایڈیشن دسمبر 1939ء میں ڈھاکہ سے شائع ہوا، دوسرا ایڈیشن نومبر 1940ء میں تحریک جدید قادیان نے شائع کیا اور خاکسار کے سامنے جو رسالہ ہے۔

یہ تیسرا ایڈیشن ہے جس کے متعلق ٹائٹل پر لکھا ہوا ہے

Revised & Enlarged ,Third Edition اور یہ تیسرا ایڈیشن نشر و اشاعت قادیان سے اگست 1952ء میں شائع ہوا۔ اس مختصر سے کتابچہ میں آپ کا خاندانی تعارف، دعاوی اور تعلیمات مختصر طور پر بیان کی گئی ہیں۔ آخری دو صفحات پر شرائط بیعت کا ذکر ہے۔

60: The Promised Messiah and Mahdi

مصنفہ: Dr.Aziz Ahmad Chaudhry

ناشر: Islam International Publication Ltd

لندن میں یہ پہلی بار 1996ء میں شائع ہوئی تھی اور 2008ء میں یہ نظارت نشر و اشاعت صدر انجمن احمدیہ قادیان انڈیا سے شائع ہوئی ہے۔

تعارف کتاب:

یہ کتاب 281 صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے دو حصے ہیں۔ مصنف عزیز احمد چودھری صاحب (اگست 1996ء میں سینٹ لوئیس امریکہ) اس کتاب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ:

"This book is about Hadhrat Mirza Ghulam Ahmad of Qadian, India (1835-1908), the founder of Ahmadiyya Movement in Islam...This book is not a biography of Hadhrat Mirza Ghulam Ahmad, the promised Messiah. It discusses his claims and some of the signs shown for him."

(The Promised Messiah and Mahdi by Dr.Aziz ahmad chaudhry p.5-6)

ترجمہ: یہ کتاب اسلام میں احمدیہ تحریک کے بانی حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؑ کے متعلق تحریر کی گئی ہے..... یہ کتاب باقاعدہ طور پر حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعودؑ کی سیرت و سوانح کی کتاب نہیں۔ اس میں آپ کے دعاوی اور آپ کے حق میں ظاہر ہونے والے بعض نشانات پر بحث کی گئی ہے۔ یہ تو کتاب کا مرکزی مضمون ہے جو مصنف نے بیان کیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعاوی ہوں یا دلائل آپؑ کی سوانح اور سیرت کا کہیں نہ کہیں ذکر کرنا ضروری ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اپنی ذات میں آپؑ کی صداقت کی ایک دلیل بھی ہے۔ اور اسی لئے اس کتاب کے صفحہ 12 سے 15 پر آپؑ کی سوانح اور سیرت کا کچھ بیان ہے۔ پھر صفحہ 16 پر ایک باب Some Historical Notes[1] کے نام سے دیا گیا ہے جس میں آپؑ کے خاندانی حالات صفحہ 24 تک بیان ہوئے ہیں، پھر آپؑ کی سیرت کا ایک روشن ترین باب آپ کی دعویٰ سے قبل کی زندگی ہے جسے مصنف نے کتاب کے صفحہ 33 پر Pure and Blameless Life[2] کے عنوان سے درج کیا ہے۔ آپؑ کی

1۔ ترجمہ: بعض تاریخی نوٹ

2۔ ترجمہ: پاک اور بے عیب زندگی

قبولیت دعا، چند عظیم الشان پیشگوئیوں اور نشانات کا ذکر ہے۔ چونکہ خاکسار کا مقصد یہاں کتاب کا تعارف نہیں ہے بلکہ صرف سیرت وسوانح حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حصہ تک محدود رہنا ہے اس لئے کتاب کے باقی حصہ کو چھوڑتا ہوں۔ بہر حال جماعت کے عقائد اور تعارف کے حوالہ سے ایک اچھی اور مفید گائیڈ بک سمجھی جاسکتی ہے۔

61: AHMAD the Promised Messiah & Mahdi

کل صفحات:27 ایڈیشن اول: دسمبر 1990ء

ناشر: Islam International Publications limited Islamabad, Tilford, Surrey UK

تعارف کتاب:

اس چھوٹے سے کتابچے میں حضرت اقدسؑ کے ابتدائی سوانح، آپؑ کی تعلیمات ودعاوی، مسیح ناصریؑ کے ساتھ مشابہتوں کا بیان ہے۔

62: تذکارِ مہدی، روایات سیدنا محمود حضرت المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ

مرتبہ: مکرم حبیب الرحمٰن زیروی صاحب صفحات:820

سنِ اشاعت:2020ء پبلشر: اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لمیٹڈ

سوانحی تعارف:

مکرم ومحترم حبیب الرحمٰن زیروی صاحب 26 مارچ 1951ء کو ربوہ میں پیدا ہوئے۔

آپ نے 21 مئی 1981ء کو زندگی وقف کی اور آپ کا پہلا تقرر 16 جون 1981ء کو بطور اسسٹنٹ لائبریرین خلافت لائبریری ہوا۔ 1998ء تا 2001ء آپ نے بطور انچارج خلافت لائبریری ربوہ خدمت کی توفیق بھی پائی۔

اکتوبر 2001ء میں آپ کا تقرر نظارت اشاعت میں ہوا۔ 2008ء میں آپ نائب ناظر اشاعت مقرر ہوئے۔ 2010ء میں آپ کا تقرر طاہر فاؤنڈیشن میں ہوا۔ 2016ء میں آپ کا تقرر نظارت دیوان میں بطور نائب ناظر دیوان ہوا جہاں آپ تا وفات خدمت کی توفیق پاتے رہے۔ آپ نے مؤرخہ 2 ستمبر 2024ء کو 73 سال کی عمر میں وفات پائی۔

تعارف کتاب:

یہ کتاب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارہ میں ان روایات کا نادر مجموعہ ہے جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مختلف مواقع پر بیان فرمائیں۔ ابتداء میں مکرم و محترم مہاشہ فضل حسین صاحب نے یہ کام بہت محنت سے شروع تو کیا لیکن مکمل نہ کر سکے اور ادھورا ہی رہا۔

بعد میں مکرم حبیب الرحمٰن زیروی صاحب نے نہایت عرق ریزی سے ان روایات کو اخبار الحکم، البدر، الفضل، خطباتِ محمود، انوار العلوم اور تفسیر کبیر سے اکٹھا کیا ہے۔ سیدنا امیر المؤمنین حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشادِ مبارک پر ریسرچ سیل نے اس مسودہ کی پروف ریڈنگ کی اور حوالہ جات چیک کئے۔ اس کتاب کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بیشتر روایات کا ذکر اپنے خطباتِ جمعہ میں فرمایا۔ اور حضورِ انور کے ہی ارشاد پر یہ کتاب انگلستان سے طبع ہوئی۔

63: مسیح موعود علیہ السلام

مؤلفہ: مولوی عبد الوہاب صاحب　　صفحات: 42

تاریخ اشاعت: 24 دسمبر 1925ء

پبلشر: محمد فخر الدین ملتانی، مہتمم احمدیہ کتاب گھر قادیان

پرنٹر: مولوی محمد عبد اللہ منہاس　　پریس: آفتاب برقی پریس امرتسر

تعارف کتاب:

مولوی عبد الوہاب صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے صاحبزادے تھے۔

یہ کتاب جو کہ 42 صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کو مصنف نے یہ لکھتے ہوئے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے نام معنون کیا ہے:

”یہ صرف اس لئے کہ یہ اوراق حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے کی تحریک ہی کے ماتحت لکھے گئے۔ بلکہ بوجہ اس عقیدت کے جو مجھے آپ سے ہے اور اس محبت کے جو آپ کو مجھ سے ہے میں اس کتاب (کو) آپ ہی کے نام نامی سے معنون کرتا ہوں۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔[1]

عبد الوہاب ابن حضرت خلیفہ اول“

اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصنف کے اپنے ہاتھ کی تحریر ہے۔

1۔ ترجمہ: اگر (ہماری اس درخواست کو) قبول کر لیا جائے تو یہ (ہمارے لئے) اعزاز ہو گا۔

بنیادی طور پر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کے دلائل پر مبنی ہے۔ اور یہ دلائل ایک منفرد اور اچھوتے رنگ میں بیان کئے گئے ہیں جو آپؑ کی سیرت پر بھی خوب خوب روشنی ڈالتے ہیں۔ صداقت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مضمون کا آغاز "ضرورت زمانہ" کی سب ہیڈنگ / ذیلی عنوان سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں امت محمدیہ پر آنے والے پر فتن زمانوں کی بابت تحریرات ہیں، جو قرآن وحدیث کے حوالوں سے مزین ہیں، اسی طرح اناجیل کی شہادت اور کتب ہنود کے حوالے بھی ہیں۔

مسلمانوں کے متعلق حسن نظامی کا اخبار وکیل 14 مئی 1924ء میں شائع ہونے والے مضمون سے ایک فقرہ قابل ذکر ہے جس میں وہ لکھتے ہیں:

"موجودہ مسلمان اسلام کا نمونہ نہیں ہیں۔" (بحوالہ مسیح موعود علیہ السلام مؤلفہ عبدالوہاب صاحب صفحہ 13)

نام نہاد صوفیاء اور ان کی تعلیمات کا ذکر کرتے ہوئے مصنف کتاب ایک حوالہ درج کرتے ہیں جس میں لکھا ہے کہ:

"آنحضرت ﷺ کی مجلس میں پہنچنے کا نیا طریقہ: جب طالب یہ دیکھے کہ اس کے ذکر و فکر سے راہ باطنی اس پر روشن نہیں ہوئی۔ چاہیے کہ اول شب یا آخر شب کو کسی درویش یا زندہ قلب یا غوث یا قطب یا فقیر باہو کی قبر پر آکر پانتی سوار ہو۔ جس طرح گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں۔ اور قرآن سے جو چاہے پڑھے۔ قبر اسے براق کی طرح مجلس محمدی میں پہنچا دے گی۔" (الفقیہہ 20 جولائی مسیح موعود علیہ السلام مؤلفہ عبدالوہاب صاحب ص 14)

مصر میں کثرت شراب نوشی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر مصر کی شراب کو بہا دیا جائے تو یقیناً یقیناً قاہرہ میں سیلاب عظیم آجائے۔ اور پھر لکھتے ہیں کہ غرض يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ [1] کا نظارہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے مسلمانوں کے عقائد کی باگ علماء کے ہاتھ میں تھی۔ ان کی حالت خود بدتر ہو گئی..... چنانچہ ہندوستان میں لاکھوں مسلمان عیسائی ہو گئے۔

ہندوستان میں تبلیغ عیسائیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ 7218 عیسائی مبلغ اور 167 سوسائٹیاں کام کر رہی ہیں ان کے کام کرنے کے مرکز 1340، مبلغ تیار کرنے کے لئے 61 درسگاہیں ہیں اور 18779 پادری کام کر رہے ہیں۔ تبلیغ کے لئے 99 خالص مذہبی اخبارات جو مختلف زبانوں اور مختلف صوبوں میں جاری ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ 1923ء تک لاکھوں مسلمان عیسائی ہو چکے ہیں۔ 792922 لوگ گرجا کے باقاعدہ ممبر ہیں۔ اور اس کی مزید تفصیل کتاب کے صفحات 17-16 پر درج ہے۔ صفحہ 20 سے آفتاب آمد دلیل آفتاب کے عنوان سے دوسری دلیل حضرت مسیح موعودؑ کی پہلی بے لوث زندگی، آپؑ کا اپنے نفس کو مثال کے

1۔ ترجمہ: وہ اپنے گھروں کو برباد کرتے ہیں۔

طور پر پیش کیا ہے۔ اور یہی چالیس سالہ پاکیزہ اور معصوم زندگی آپ کی سیرت کا ایک عنوان بھی کہا جا سکتا ہے۔
مصنف نے اس ضمن میں کتاب کے صفحہ 22 پر ایک دلچسپ بات تحریر کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”اور ابھی تھوڑے ہی عرصہ کی بات ہے کہ قادیان کے کئی بوڑھوں کے نام کی فہرست دے کر غیر احمدی علماء سے کہا گیا کہ ان لوگوں سے حضور کی قبل از دعویٰ زندگی سے شہادت لے لو۔ اگر اَصْدَقُکُمْ حَدِیْثًا وَاَعْظَمُکُمْ اَمَانَتًا[1] کے سوا کچھ اور جواب ملے تو ہمیں ملزم ٹھہراؤ۔ مگر سوائے خاموشی کے اور کوئی جواب نہ تھا۔“ (مسیح موعود علیہ السلام مؤلفہ عبدالوہاب صاحب ص 22)

پھر آپ نے حضرت مسیح موعودؑ کی پاکیزہ زندگی کے متعلق مخالفین کی کچھ آراء درج کی ہیں۔ اس کے علاوہ بعض اور دلائل صداقت مثلاً وَ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ[2] (الحاقۃ:45) کثرت غیب پر اطلاع، اور نصرت الٰہی کی روشنی میں تحریر کیا ہے۔

64: مسیح موعودؑ

مصنفہ: مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور
کل صفحات: 318 طبع اول: 1918ء
ناشر: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام انڈیا طابع: ایم کے آفسٹ
پرنٹرز: 1397، پہاڑی املی، چوڑیوالان، دہلی

سوانحی تعارف:

(پیدائش: 1874ء مرار ریاست کپورتھلہ، وفات: 15 اکتوبر 1951ء بمقام کراچی)

آپ کے والد کا نام فتح الدین تھا۔ 1896ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور اور پھر اورینٹل کالج میں بھی ریاضی کے پروفیسر رہے اور 1899ء میں ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا۔ مارچ 1897ء میں قادیان جا کر حضرت اقدسؑ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ جون 1899ء میں ہجرت کر کے قادیان چلے گئے۔ حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی زندگی میں ریویو آف ریلیجنز انگریزی اور اردو کے ایڈیٹر رہے۔ صدر انجمن احمدیہ کے سیکرٹری کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے۔ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے عہد مبارک میں خدمات کی توفیق پائی۔

مگر افسوس کہ انتخابِ خلافتِ ثانیہ کے آغاز میں ہی قادیان دارالامان کو ترک کر کے احمدیہ بلڈنگس

1۔ ترجمہ: تم میں سے بات کے لحاظ سے سب سے زیادہ سچا اور تم میں سے امانت کے اعتبار سے سب سے زیادہ عظیم (دیانتدار)
2۔ ترجمہ: اور اگر وہ بعض باتیں جھوٹے طور پر ہماری طرف منسوب کر دیتا۔

لاہور میں اپنا الگ مرکز بنالیا۔ اور انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور کی بنیاد ڈالی اور باقی عمر کا بیشتر حصہ سیدنا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی مخالفت میں گذار دیا۔ اکتوبر 1951ء میں وفات پائی اور لاہور کے قبرستان میانی صاحب میں تدفین ہوئی۔

تصنیفات: 150 کے قریب کتب و ٹریکٹ۔ مثلاً النبوۃ فی الاسلام، المصلح الموعود، سیرت خیر البشرؐ، بیان القرآن، تحریک احمدیت، مقام حدیث، دی نیو ورلڈ آرڈر، مینوئیل آف حدیث وغیرہ

تعارف کتاب:

ایک گروہ جو احمدیہ جماعت سے علیحدہ ہو کر قادیان کی مقدس بستی اور بہشتی مقبرہ کو چھوڑ کر لاہور میں آبسا اور اسے اپنا ہیڈ کوارٹر بنالیا۔ اس گروہ نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے عقائد و تعلیمات میں اپنی من مرضی سے تشریح و توضیح کرتے ہوئے تبدیلی پیدا کرلی۔ جس میں سب سے بڑی اور اہم تبدیلی یہ تھی کہ خدا نے حضرت اقدس علیہ السلام کو نبی اور رسول کے مقام پر فائز کیا تھا لیکن انہوں نے اس مقام کا انکار کر دیا حالانکہ حضرت اقدس علیہ السلام کی تمام تحریرات اور ارشادات ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح سب کے سامنے تھے۔ قادیان میں اسی کا چرچا بھی رہتا تھا۔ حضرت اقدسؑ کی وفات کے بعد بھی کچھ دیر تک اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ان لوگوں کی طرف سے ناشکری کا آغاز یہاں سے ہوا کہ انہوں نے نبوت جیسے اس مقام و اکرام سے منہ پھیر لیا کہ جس چاند چہرے کو چودہ سو سال سے لوگ دیکھنے کو ترستے رہے اور حسرت لئے اس دنیا سے گزر گئے۔ بہر حال ان کے انہی بدلے ہوئے اور بگڑے ہوئے عقائد کے دلائل پر مبنی یہ کتاب ہے۔ جس میں سیرت و سوانح تو شاذ ہی ہے۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن 1928ء میں اور پھر 2000ء میں ایک ایڈیشن شائع ہوا۔ اسی کتاب کا انگریزی ترجمہ The Second Coming of Jesus کے نام سے سید محمد طفیل صاحب نے کیا ہے۔

65: The Founder of the Ahmadiyya Movement
A short study of the Life of Hazrat Mirza Ghulam Ahmad

مصنفہ: Maulana Muhammad Ali کل صفحات: 124

پبلشر: احمدیہ انجمن لاہور پبلیکیشنز یو کے

تعارف کتاب:

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن 1937ء کو شائع ہوا، اور یہ دراصل 1918ء میں شائع ہونے والے ٹریکٹ The Ahmadiyya Movement: 1. The Founder میں کچھ اضافہ شدہ ہے۔ اور یہ ٹریکٹ خود حصہ تھا اس مضمون کا جو کہ مولانا صاحب نے 1906ء میں ریویو آف ریلیجنز میں شائع کیا تھا۔ جیسا کہ اسی

کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہوا ہے:

"This book on the life of Hazrat Mirza Ghulam Ahmad by Maulana Muhammad Ali was first published in 1937. It was an expansion by him of his earlier short work published in 1918 as the first tract in a series entitled The Ahmadiyya Movement: 1. The Founder. This tract was itself partly based on an article written by Maulana Muhammad Ali in the Review of Religions in 1906 during the life of the Founder.This was the monthly English periodical of the Ahmadiyya Movement, of which the Maulana was Editor at the Time".

(The Founder of the Ahmadiyya Movement ... (preface)

یعنی حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ کی سوانح پر مبنی مولوی محمد علی صاحب کی یہ کتاب پہلی بار 1937ء میں شائع ہوئی۔ یہ دراصل ان کے اپنے ہی اس کام میں جو ابتدائی طور پر انہوں نے کیا تھا کچھ تفصیل و توسیع ہے جو احمدیہ تحریک کا بانی کے نام سے ایک سیریز کی صورت میں شائع ہوتا رہا۔ اور یہ مواد خود مولوی محمد علی صاحب کے ان مضامین پر مبنی تھا جو 1906ء کے ریویو آف ریلیجنز انگریزی میں شائع ہوتا رہا مولانا صاحب اس وقت اس کے ایڈیٹر تھے۔

بہر حال یہ کتاب 1937ء میں پہلی بار شائع ہوئی اور اس کا دوسرا ایڈیشن 1984ء اور اب یہ تیسرا ایڈیشن ہے جو 2008ء کو شائع ہوا۔ یہ ایڈیشن ڈاکٹر زاہد عزیز صاحب نے Edit کیا ہے۔ اور نئے ٹائپ سیٹ کے ساتھ یو کے سے شائع کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے 12 ابواب ہیں۔ پہلے باب میں خاندان کی ابتدائی تاریخ اور حضرت اقدسؑ کے ابتدائی چالیس سال کی سوانح کا ذکر ہے۔ دوسرے باب میں آریہ سماج، برہمو سماج اور اسلام کے خلاف لٹریچر کے مطالعہ کا ذکر ہے، آپؑ کے مجدد ہونے، مہدی اور مسیح ہونے کے دعاوی، آپؑ کی مخالفت، بابا نانکؒ، مسیح کے صلیب سے زندہ بچنے اور ریویو آف ریلیجنز، جہاد وغیرہ پر مشتمل دوسرے ابواب ہیں۔ کچھ ضمیمہ جات بھی کتاب کے آخر میں شامل ہیں جس میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور احمدیت کے بارہ میں غیروں کے تاثرات کا بیان ہے۔ اور آخری ضمیمہ میں مولوی محمد علی صاحب کے ساتھ حضرت اقدسؑ کی محبت اور مولوی صاحب کی دینی خدمات و مقام کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے مصنف کے اپنے مخصوص عقائد و نظریات

کی چھاپ یہ کتاب بھی لئے ہوئے ہے اسی لئے اس کتاب کا ایک باب، باب نمبر 8 صرف اس بیان کے لئے مخصوص ہے کہ:

"Not a Prophet[1]"

البتہ اس کتاب میں ایک بات جو خاکسار کے لئے دلچسپی کا سامان لئے ہوئے تھی وہ یہ کہ ہم حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے عشق قرآن اور کثرت تلاوت و مطالعہ قرآن کے واقعات پڑھتے اور سنتے رہتے ہیں۔ اس ضمن میں حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب کی ایک روایت ہے کہ جس میں وہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت اقدسؑ کے پاس قرآن کریم کا ایک نسخہ ہوتا تھا جس کو آپؑ کثرت سے پڑھتے رہتے تھے اور نشان لگاتے رہتے تھے۔ اور اس میں وہ بیان فرماتے ہیں کہ دس ہزار سے زائد مرتبہ وہ قرآن آپؑ نے پڑھا ہوگا۔

یہ روایت اس کتاب کے صفحہ 15، 14 پر بھی موجود ہے۔ اور اگلے صفحہ پر اس کے فٹ نوٹ میں جو صفحہ 15 پر ہے یہ لکھا ہوا ہے کہ:

This copy of the Holy Quran is now in the Possession of the author, and on it, in Ahmad's own handwriting, are numbered the Divine commandments and prohibitions in the Holy Quran.

یعنی: قرآن کریم کا یہ نسخہ اب مصنف کتاب ہذا یعنی مولانا محمد علی صاحب کے پاس ہے اور اس پر **حضرتِ احمد علیہ السلام کے اپنے ہاتھ کی تحریر سے قرآن کریم میں اوامر و نواہی پر نشان لگے ہوئے ہیں۔**

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ مولانا محمد علی صاحب کی ایک تصنیف جو غالباً اسی تصنیف کا ابتدائی ترین حصہ تھا، کے متعلق فرماتے ہیں:

"مولوی صاحب موصوف پرانے احمدی ہیں۔ غالباً 1897ء میں احمدی ہوئے تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی کے آخری چند سال قادیان ہجرت کر آئے تھے اور حضرت صاحب نے ان کو اپنے مکان کے ایک حصہ میں جگہ دی تھی اور ریویو کی ایڈیٹری ان کے سپرد کی تھی۔ مولوی صاحب حضرت صاحب کے زمانہ میں مقربین میں سمجھے جاتے تھے مگر افسوس اپنے بعض دوستوں اور نیز زمانہ کے اثر کے نیچے آکر فتنہ کی رو میں بہہ گئے۔ ان کی انگریزی تصنیف "احمد علیہ السلام" مختصر طور پر حضرت مسیح موعودؑ کے سوانح اور

1۔ ترجمہ: ایک نبی نہیں۔

سیرت پر مشتمل ہے اور دلچسپ پیرایہ میں لکھی گئی ہے، سوانح کے معاملے میں کوئی خاص تحقیق نہیں کی گئی بلکہ عام معروف باتوں کو لکھ دیا ہے۔ سیرت کا حصہ عموماً اپنے ذاتی مشاہدہ پر مبنی ہے اور عمدہ طور پر لکھا گیا ہے، تاریخ تصنیف 1906ء ہے۔" (سیرت المہدی جلد اول روایت نمبر 181)

66: PROMISED MESSIAH AND MAHDI

(A study in the Claims of Hadrat Mirza Ghulam Ahmad of Qadian, Founder of the Ahmadiyyah Movement.)

مصنفہ: Mohammad Ali　　کل صفحات: 41

تعارف کتاب:

مولوی محمد علی صاحب کی کتاب "تحریک احمدیت" کا یہ انگریزی ترجمہ ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن 1951ء میں، دوسرا 1957ء میں اور خاکسار کے پاس جو موجود ایڈیشن ہے وہ تیسرا اور نظر ثانی شدہ ایڈیشن Third Revised Edition ہے۔ جو کہ اکتوبر 1959ء میں شائع ہوا۔ مطبع: The Evergreen Press Lahore یہ کتاب جو کہ کل 41 صفحات پر مشتمل ہے بنیادی طور پر حضرت مسیح موعودؑ کے دعاوی کے متعلق ہے اور مصنف کی اپنے مخصوص عقائد کے مطابق ان دعاوی کی تشریح کرنے کی ناکام اور نامناسب کوشش ہے۔

67: مجدد اعظم

i. مجدد اعظم جلد اول

مصنفہ: ڈاکٹر بشارت احمد صاحب لاہور　　کل صفحات: 736

ناشر: انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور

سوانحی تعارف:

3 اکتوبر 1876ء کو بمقام دھرم سالہ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام بشیر احمد اور والدہ کا نام خورشید بانو تھا دادا نے ریٹائر ہونے پر سیالکوٹ سکونت اختیار کی اور یہیں ڈاکٹر صاحب کی ابتدائی تعلیم ہوئی۔ انٹرنس کے بعد تعلیم کے لئے لاہور میں سکونت اختیار کی اور میڈیکل کالج میں داخل ہوئے۔ 1894ء میں بابو صفدر جنگ صاحب انسپکٹر پولیس کی صاحبزادی حلیمہ بیگم سے شادی ہوئی۔ ڈاکٹری تعلیم مکمل کرنے کے بعد سب سے پہلے بسلسلہ ملازمت افریقہ گئے۔ اور کوئی ڈیڑھ سال کے قریب وہاں رہے۔ غالباً 1906ء میں حضرت مسیح موعودؑ کی

بیعت کی۔ ہندو پاک کے مختلف مقامات پر متعین رہے اور لدھیانہ سے 1931ء میں ریٹائر ہوئے اور لاہور میں سکونت اختیار کی۔ 21 اپریل 1943ء کو وفات پائی اور لاہور میں میانی صاحب کے قبرستان احاطہ احمدیہ میں دفن ہوئے۔

تصنیفات: انوار القرآن، مجدد اعظم

تعارف کتاب:

کتاب کا پورا نام ہے: "مجدد اعظم یعنی سوانح عمری حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی رحمۃ اللہ علیہ مسیح موعود و مہدی معہود مجدد صد چہار دہم" یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوانح 1900ء تک پر مشتمل ہے اور اس کے 736 صفحات ہیں۔ یہ پہلا حصہ دسمبر 1939ء میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے شائع کیا۔ دیر سے یہ کتاب آؤٹ آف پرنٹ تھی، اب جون 2006ء میں اسی کو Reprint کیا گیا ہے۔ پہلے حصہ میں محترم مولوی محمد علی صاحب امیر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام جو کہ مصنف کے داماد بھی تھے، نے مصنف کی سوانح اور سیرت پر بھی چند صفحات کا نوٹ شامل اشاعت کیا ہے۔

ii. مجدد اعظم جلد دوم

مصنفہ: ڈاکٹر بشارت احمد صاحب لاہور　　کل صفحات: 656

ناشر: انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور

تعارف کتاب:

اس کتاب کا دوسرا حصہ جون 1900ء سے لے کر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات تک کے سوانح اور سیرت پر مشتمل ہے۔ چونکہ تینوں حصوں کے صفحات مسلسل ہیں اس لئے یہ حصہ صفحہ نمبر 737 سے 1392 تک ہے۔ عناوین سیرت میں شمائل، حسن معاشرت، رواداری، عشق الٰہی، عشق رسول ﷺ، عشق قرآن پر مصنف نے واقعات و تحریرات کی روشنی میں لکھا ہے۔ یہ حصہ 1940ء میں طبع ہوا۔

iii. مجدد اعظم جلد سوم

مصنفہ: ڈاکٹر بشارت احمد صاحب لاہور　　کل صفحات: 360

ناشر: انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور (یہ حصہ 1944ء میں طبع ہوا)

تعارف کتاب:

اس کتاب کا یہ حصہ چھپنے سے پہلے مصنف کی وفات ہو گئی تھی۔ یہ حصہؔ حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمات دینیہ پر ایک نظر کے عنوان سے بعض کارناموں پر مشتمل ہے جس کا زیادہ تر حصہ دراصل مصنف کے اپنے نظریات اور سوچ کے تابع مباحث پر مشتمل ہے۔ یوں پہلے دو حصے جو 1392 صفحات پر مشتمل تھے ان میں سے 150 صفحات کے قریب صرف سیرت کے چند ایک پہلوؤں کے بیان پر مشتمل ہے اور باقی کتاب سوانح اور تاریخ سلسلہ کے بعض اہم واقعات پر محیط ہے۔ یہ سوانح اور تاریخ بھی اپنے اندر خاص تحقیقی مواد سے عاری ہے۔ بعض دیگر کتب سے استفادہ بھی شامل ہے خاص طور پر سیرت کے حصہ میں۔ اور جن تاریخی امور یا اختلافی مسائل میں مصنف نے قلم اٹھایا ہے وہاں تحقیق اور استدلال کی کمی محسوس ہوتی ہے۔

اس کتاب کے مصنف کے بارہ میں ایک دکھ اور حیرت یہ بھی ہوتی ہے کہ جو چمک اور نور یہ مسجد مبارک کی کھڑکی سے گزرتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے اور جس کا نظارہ ان کے دل سے محو ہونے نہ پاتا تھا جس کا ذکر یہ اپنی اسی کتاب کے صفحہ 1241 اور 1242 پر کرتے ہیں وہ اتنی جلدی کیسے گہنا گیا.....!!!

اس کتاب کے ہر حصہ کے شروع میں حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شبیہِ مبارک دی گئی ہے جس کے اوپر حضورؑ کے منظوم فارسی کلام کے دو اشعار بھی دیئے گئے ہیں:

رسید مژدہ ز غیبم کہ من ہماں مَردم
کہ او مجدّد ایں دین و رہنما باشد
منم مسیح ببانگِ بلند مے گویم
منم خلیفۂ شاہے کہ بر سما باشد[1]

(تریاق القلوب، روحانی خزائن جلد 15 ص 132)

یہ اشعار جس نظم سے لئے گئے ہیں وہ تریاق القلوب، روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 129 تا 137 پر موجود ہے۔ حیرت ہے کہ یہ دو اشعار تو یہاں دے دیئے لیکن اسی نظم کا یہ شعر کیوں نہیں دیا:

منم مسیح زمان و منم کلیمِ خدا
منم محمدؐ و احمدؐ کہ مجتبیٰ باشد[2]

(تریاق القلوب، روحانی خزائن جلد 15 ص 134)

1۔ ترجمہ: مجھے غیب سے یہ خوشخبری ملی ہے کہ میں وہی شخص ہوں جو اس دین کا مجدد اور رہنما ہے۔ میں بلند آواز سے کہہ رہا ہوں کہ میں ہی مسیح ہوں (اور) میں ہی اس بادشاہ کا خلیفہ ہوں جو آسمان پر ہے۔

2۔ ترجمہ: میں ہی زمانے کا مسیح ہوں اور میں ہی کلیمِ خدا ہوں (اور) میں ہی وہ محمد اور احمد ہوں جو مجتبیٰ (برگزیدہ) ہے۔

اسلام کا پیش کردہ تصورِ خدا

بانیٔ جماعت احمدیہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات کی روشنی میں

''معجزات''

(ابن داؤد)

معجزہ عجز سے ماخوذ ہے بمعنی طاقت نہ ہونا، کمزوری ہونا، قدرت نہ رکھنا۔ اور عجز کے لغوی معنی ہیں

العَجْزُ: نَقِيْضُ الحَزْمِ،... الضُّعْفُ، وَفِي حَدِيثِ عُمَرَ: وَلَا تُلِثُّوا بِدَارِ مَعْجِزَةٍ:أَي لَا تُقِيمُوا بِبَلْدَةٍ تَعْجِزُون فِيهَا عَنِ الِاكْتِسَابِ وَالتَّعَيُّشِ۔(لسان العرب-عجز) (اَقرب الموارد-عجز)

عجز کے معنی ہیں طاقت اور قوت کا نہ ہونا، کمزور ہونا۔ سیدنا حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: دارِ معجزہ میں نہ ٹھہرو۔ یعنی ایسے شہر میں رہائش اختیار نہ کرو جس میں کسب و معاش کے سلسلے میں کمزور ہو جاؤ۔ (جہاں رزق و کمائی کا سلسلہ تمہیں عاجز کر دے اور تم معاشی معاملہ میں کمزور ہو جاؤ۔)

العَجْزِ:عَدَمُ الْقُدْرَةِ وَفِي الحَدِيْثِ:كُلُّ شيءٍ بِقَدَرٍ حتّى العَجْزُ والكَيْسُ۔

العَجْز کے معنی ہیں قدرت نہ رکھنا۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ ہر چیز تقدیر الٰہی سے ہوتی ہے، یہاں تک کہ عاجزی اور مستعدی و دانائی بھی۔ (لسان العرب-عجز)

اَلْمُعْجِزَةُ:اَمْرٌ خَارِقُ الْعَادَةِ يَعْجِزُ الْبَشَرُ اَنْ يَّأْتُوْا بِمِثْلِهِ وَهُوَ عَادَةٌ مَقْرُوْنٌ بِدَعْوَى النُّبُوَّةِ وَالْهَاءُ لِلْمُبَالَغَةِ:مُعْجِزَاتٌ۔ (اقرب الموارد۔عجز)

ترجمہ: معجزہ ایسا خارق عادت امر ہے کہ انسان عاجز آجائے کہ وہ اس کی مانند و مثال لے کر آئے اور معجزہ دعویٰ نبوت کے ساتھ لازم ملزوم ہے اور معجزہ میں ''ہ'' مبالغہ پر دلالت کرتی ہے۔

علامہ احمد بن محمد القسطلانی نے معجزہ کے معانی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اِنَّ الْمُعْجِزَةَ هِيَ الْاَمْرُ الْخَارِقُ لِلْعَادَةِ الْمَقْرُوْنِ بِالتَّحَدِّي الدَّالِّ عَلَى صِدْقِ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ''

(المواھب اللدنیہ، الجزالثانی، المقصد الرابع، الفصل الاول فی معجزاتہ، تعریف المعجزۃ، صفحہ 450)

ترجمہ: معجزہ اس چیز کو کہتے ہیں جو مافوق العادت ہو اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کی پختہ دلیل کے طور پر صادر ہو۔

پس ان تعریفوں کی رو سے معجزہ کا اصطلاحی مطلب یہ بنے گا کہ مخالف جس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز آجائے اور معجزات مخالف کو کمزور کر دیں اور معجزہ حق و باطل میں واضح فرق کر دے اور صاحب معجزہ سے ایسے امور ظاہر ہوں جن کو انسانی عقل شناخت نہ کر سکے اور سطحی نظر والے اس کی کنہ کو نہیں پہنچ سکتے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام جن کو اس زمانے میں خدا تعالیٰ نے اپنا چہرہ دکھانے کیلئے معبوث فرمایا، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر وہ معجزات دکھائے کہ ایک عالم کو زندہ کر دیا اور خدائے تعالیٰ پر یقین دلوں میں راسخ کر دیا۔ آپ علیہ السلام معجزہ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”سو اوّل جاننا چاہئے کہ معجزہ عادات الٰہیہ میں سے ایک ایسی عادت یا یوں کہو کہ اس قادر مطلق کے افعال میں سے ایک ایسا فعل ہے جس کو اضافی طور پر خارق عادت کہنا چاہئے۔“

(سرمہ چشم آریہ، روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 68 حاشیہ)

اسی طرح معجزہ کی حقیقت ظاہر کرتے ہوئے فرمایا:

”معجزہ کی حقیقت یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ ایک امر خارق عادت یا ایک امر خیال اور گمان سے باہر اور امید سے بڑھ کر ایک اپنے رسول کی عزت اور صداقت ظاہر کرنے کے لئے اور اس کے مخالفین کے عجز اور مغلوبیت جتلانے کی غرض سے اپنے ارادہ خاص سے یا اس رسول کی دعا اور درخواست سے آپ ظاہر فرماتا ہے مگر ایسے طور سے جو اس کی صفات وحدانیت و تقدّس و کمال کے منافی و مغائر نہ ہو اور کسی دوسرے کی وکالت یا کارسازی کا اس میں کچھ دخل نہ ہو۔“ (ازالہ اوہام حصہ اول، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 261 حاشیہ)

آج کی جدید دنیا اپنی جدّت پر فخر کرتی ہے اور مادیت کے طوفان میں خدائی قدرتوں کی منکر ہوتی جارہی ہے۔ ایسے میں اپنی کم عقلی اور کوتاہ بینی میں خدائی تصرفات کو نظر انداز کر کے خدا کو محدود ٹھہرانا چاہتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایسے ہی وساوس کو دور کرنے کی خاطر فرماتے ہیں:

”درحقیقت معجزات کی مثال ایسی ہے جیسے چاندنی رات کی روشنی جس کے کسی حصہ میں کچھ بادل بھی ہو مگر وہ شخص جو شب کور ہو جو رات کو کچھ دیکھ نہیں سکتا اُس کے لئے یہ چاندنی کچھ مفید نہیں۔ ایسا تو ہرگز نہیں ہو سکتا اور نہ کبھی ہوا کہ اِس دنیا کے معجزات اُسی رنگ سے ظاہر ہوں جس رنگ سے قیامت میں ظہور ہو گا۔ مثلاً دو تین سو مردے زندہ ہو جائیں اور بہشتی پھل اُن کے پاس ہوں اور دوزخ کی آگ کی چنگاریاں بھی پاس رکھتے ہوں اور شہر بشہر دورہ کریں اور ایک نبی کی سچائی پر جو قوم کے درمیان ہو گواہی دیں اور لوگ اُن کو شناخت کر لیں کہ درحقیقت یہ لوگ مر چکے تھے اور اب زندہ ہو گئے ہیں اور واعظوں اور لیکچروں سے شور مچا دیں کہ

در حقیقت یہ شخص جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے سچا ہے۔ سو یاد رہے کہ ایسے معجزات کبھی ظاہر نہیں ہوئے اور نہ آئندہ قیامت سے پہلے کبھی ظاہر ہوں گے۔ اور جو شخص دعویٰ کرتا ہے کہ ایسے معجزات کبھی ظاہر ہو چکے ہیں وہ محض بے بنیاد قصوں سے فریب خوردہ ہے اور اُس کو سنت اللہ کا علم نہیں اگر ایسے معجزات ظاہر ہوتے تو دنیا دنیا نہ رہتی اور تمام پردے کھل جاتے اور ایمان لانے کا ایک ذرّہ بھی ثواب باقی نہ رہتا۔"

(براہین احمدیہ حصّہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 43 تا 44)

مطلب یہ کہ معجزات میں اخفاء کا پہلو ہونے کے باوجود جن کو خدا نور دے انہیں معجزات واضح اور روشن نظر آتے ہیں۔ اسکے بالمقابل وہ فریق جو انکار پر مصرّ ہوتا ہے وہ ہر گز اس نظر سے دیکھ ہی نہیں پاتا کہ جہاں معجزہ اس کو کوئی فائدہ پہنچا سکے یا وہ اصل حقیقت ہی معلوم کر سکے۔ چنانچہ ایسے لوگوں کیلئے ہی معجزہ ہوتا ہے اور اسی غرض کو پورا کرنا معجزات کا مقصود بالذات ہوا کرتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اصلی اور بھاری مقصد معجزہ سے حق اور باطل یا صادق اور کاذب میں ایک امتیاز دکھلانا ہے۔ اور ایسے امتیازی امر کا نام معجزہ یا دوسرے لفظوں میں نشان ہے۔ نشان ایک ایسا ضروری امر ہے کہ اُس کے بغیر خدائے تعالیٰ کے وجود پر بھی پورا یقین کرنا ممکن نہیں اور نہ وہ ثمرہ حاصل ہونا ممکن ہے کہ جو پورے یقین سے حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ مذہب کی اصلی سچائی خدائے تعالیٰ کی ہستی کی شناخت سے وابستہ ہے۔ سچے مذہب کے ضروری اور اہم لوازم میں سے یہ امر ہے کہ اُس میں ایسے نشان پائے جائیں جو خدائے تعالیٰ کی ہستی پر قطعی اور یقینی دلالت کریں۔" (براہین احمدیہ حصّہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 60)

نیز فرمایا:

"یہ بات ہر گز نہیں ہے کہ ہر ایک متعصب اور جاہل اور بد طبع گو کیسا ہی مصلحتِ الٰہیّہ کے برخلاف اور قدرِ ضرورت سے بڑھ کر کوئی معجزہ مانگے تو وہ بہر حال دکھلانا ہی پڑے۔ یہ طریق جیسا کہ حکمت الٰہیّہ کے برخلاف ہے ایسا ہی انسان کی ایمانی حالت کو بھی مضر ہے کیونکہ اگر معجزات کا حلقہ ایسا وسیع کر دیا جائے کہ جو کچھ قیامت کے وقت پر موقوف رکھا گیا ہے وہ سب دنیا میں ہی بذریعہ معجزہ ظاہر ہو سکے تو پھر قیامت اور دنیا میں کوئی فرق نہ ہو گا۔ حالانکہ اسی فرق کی وجہ سے جن اعمال صالحہ اور عقائد صحیحہ کا جو دنیا میں اختیار کئے جائیں ثواب ملتا ہے وہی عقائد اور اعمال اگر قیامت کو اختیار کئے جائیں تو ایک رَتی بھی ثواب نہیں ملے گا۔ جیسا کہ تمام نبیوں کی کتابوں اور قرآن شریف میں بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن کسی بات کا قبول کرنا یا کوئی عمل

کرنا نفع نہیں دے گا اور اُس وقت ایمان لانا محض بیکار ہو گا۔ کیونکہ ایمان اُسی حد تک ایمان کہلاتا ہے جبکہ کسی مخفی بات کو ماننا پڑے لیکن جب کہ پردہ ہی کھل گیا اور رُوحانی عالم کا دن چڑھ گیا اور ایسے امور قطعی طور پر ظاہر ہو گئے کہ خدا پر اور روز جزا پر شک کرنے کی کوئی بھی وجہ نہ رہی تو پھر کسی بات کو اُس وقت ماننا جس کو دوسرے لفظوں میں ایمان کہتے ہیں محض تحصیل حاصل ہو گا۔ غرض نشان اس درجہ پر کھلی کھلی چیز نہیں ہے جس کے ماننے کے لئے تمام دنیا بغیر اختلاف اور بغیر عذر اور بغیر چون وچرا کے مجبور ہو جائے۔ اور کسی طبیعت کے انسان کو اُس کے نشان ہونے میں کلام نہ رہے اور کسی غبی سے غبی انسان پر بھی وہ امر مشتبہ نہ رہے۔"

(براہین احمدیہ حصّہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 44، 45)

یعنی معجزہ حق و باطل میں فرق کر دیتا ہے اور یہ سچے اور جھوٹے میں تمیز کر دیتا ہے۔ ایسے میں بہت سی سعید روحیں حق کی خوشبو پا لیتی ہیں اور خدا کی راہ میں کوشش کر کے اور اخلاص دکھا کر آخر حق کو پانے کا موجب بن جاتی ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"غرض نشان اور معجزہ ہر ایک طبیعت کے لئے ایک بدیہی امر نہیں جو دیکھتے ہی ضروری التسلیم ہو بلکہ نشانوں سے وہی عقلمند اور منصف اور راستباز اور راست طبع فائدہ اٹھاتے ہیں جو اپنی فراست اور دور بینی اور باریک نظر اور انصاف پسندی اور خدا ترسی اور تقویٰ شعاری سے دیکھ لیتے ہیں کہ وہ ایسے امور ہیں جو دنیا کی معمولی باتوں میں سے نہیں ہیں اور نہ ایک کاذب اُن کے دکھلانے پر قادر ہو سکتا ہے اور وہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ امور انسانی بناوٹ سے بہت دور ہیں اور بشری دسترس سے برتر ہیں اور اُن میں ایک ایسی خصوصیت اور امتیازی علامت ہے جس پر انسان کی معمولی طاقتیں اور پُر تکلف منصوبے قدرت نہیں پا سکتے اور وہ اپنے لطیف فہم اور نُورِ فراست سے اس تہ تک پہنچ جاتے ہیں کہ اُن کے اندر ایک نُور ہے اور خدا کے ہاتھ کی ایک خوشبو ہے جس پر مکر اور فریب یا کسی چالاکی کا شُبہ نہیں ہو سکتا۔ پس جس طرح سورج کی روشنی پر یقین لانے کے لئے صرف وہ روشنی ہی کافی نہیں بلکہ آنکھ کے نور کی بھی ضرورت ہے تا اُس روشنی کو دیکھ سکے اِسی طرح معجزہ کی روشنی پر یقین لانے کیلئے فقط معجزہ ہی کافی نہیں ہے بلکہ نورِ فراست کی بھی ضرورت ہے اور جب تک معجزہ دیکھنے والے کی سرشت میں فراستِ صحیحہ اور عقل سلیم کی روشنی نہ ہو تب تک اس کا قبول کرنا غیر ممکن ہے۔"

(براہین احمدیہ حصّہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 45)

حضرت مسیح موعودؑ سے ایک موقع پر پوچھا گیا کہ معجزہ کی قسم کے بعض امور اَور لوگ بھی دکھاتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا کہ:

”میں قصوں کو نہیں سنتا یہ جو فرانس یا کسی اور جگہ کے قصے سنائے جاتے ہیں یہ کافی نہیں سب سے پہلے معجزہ تو یہ ہے کہ انسان پاک دل ہو۔ بھلا پلید دل کیا معجزہ دکھا سکتا ہے جب تک خدا تعالیٰ سے ڈرنے والا دل نہ ہو تو کیا ہے؟ ضروری ہے کہ متقی ہو اور اس میں دیانت ہو۔ اگر یہ نہیں تو پھر کیا ہے؟ تماشے دکھانے والے کیا کچھ نہیں کرتے جالندھر میں ایک شخص نے بعض شعبدے دکھائے اور اس نے کہا کہ میں مولویوں سے ان کی بابت کرامت کا فتویٰ لے سکتا ہوں مگر وہ خود جانتا تھا کہ ان کی اصلیت کیا ہے بعد میں وہ اس سلسلہ میں داخل ہو گیا اس نے توبہ کی۔ جن ملکوں کے قصے بیان کئے جاتے ہیں وہاں اگر معجزات دکھانے والے ہوتے تو یہ فسق و فجور کے دریا وہاں نہ ہوتے۔ خدا تعالیٰ کے نشانات دل پر ایک پاک اثر ڈالتے ہیں اور اس کی ہستی کا یقین دلاتے ہیں مگر یہ شعبدے انسان کو گمراہ کرتے ہیں ان کا خدا شناسی اور معرفت سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی یہ کوئی پاک تبدیلی پیدا کر سکتے ہیں اس لئے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتے۔“

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 381 تا 382 ایڈیشن 2022)

غرض معجزات کوئی شعبدہ بازی یا کھیل تماشا نہیں ہوا کرتے بلکہ خدا کا چہرہ اور قادر کے تصرفات نمایاں کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ ایسے میں وہ دنیا دار افراد جو آنکھوں کو مدھر کرتے اور عقلوں کو حیرت میں ڈال کر لوگوں کے حواس پر جادو کر دیتے ہیں صرف ایک وقتی کیفیت پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ اس سے روحانی طور پر کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا ہے اور جسم بھی وقتی سرور اٹھا کر لمحہ بھر اس حالت میں رہ پاتے ہیں۔ اس کے بالمقابل معجزات جو قادر کے تصرفات ہوتے ہیں نافع الناس ٹھہرتے ہیں کہ روح بھی ایمان سے تازہ دم ہو جاتی ہے اور بھٹکے ہوئے راہ پا لیتے ہیں۔ معجزات کے ذریعہ خدا اپنی قدرت کاملہ کا مختلف پیرائیوں میں اظہار فرماتا ہے۔ یہ اظہار قدرت خدا تعالیٰ اپنے پیاروں کے ذریعہ فرماتا ہے جس کی مثالیں انسانی تاریخ کا ایک روشن باب ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ ایک معجزہ نما طاقت اپنے نبی کی تائید میں اس کے بالمقابل دکھاتا ہے۔ ظاہری آتش کا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر فرو کر دینا خدا تعالیٰ کے آگے کوئی مشکل امر نہیں اور ایسے واقعات ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ان واقعات کی اب بہت تحقیقات کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ہزاروں سالوں کی بات ہے۔ ہم خود اس زمانہ میں ایسے واقعات دیکھ رہے ہیں اور اپنے اوپر تجربہ کر رہے ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے جبکہ میں سیالکوٹ میں تھا تو ایک دن بارش ہو رہی تھی۔ جس کمرہ کے اندر میں بیٹھا ہوا

تھا اس میں بجلی آئی۔ سارا کمرہ دھوئیں کی طرح بھر گیا اور گندھک کی سی بو آتی تھی لیکن ہمیں کچھ ضرر نہ پہنچا۔ اس وقت وہ بھی ایک مندر میں گری جو کہ تیجا سنگھ کا مندر تھا اور اس میں ہندوؤں کی رسم کے مطابق طواف کے واسطے پیچ در پیچ ارد گرد دیوار بنی ہوئی تھی اور وہ اندر بیٹھا ہوا تھا۔ بجلی ان تمام چکروں میں سے ہو کر اندر جا کر اس پر گری اور وہ جل کر کوئلہ کی طرح سیاہ ہو گیا دیکھو وہی بجلی کی آگ تھی جس نے اس کو جلا دیا۔ مگر ہم کو کچھ ضرر نہ دے سکی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے ہماری حفاظت کی۔ ایسا ہی سیالکوٹ کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ رات کو میں ایک مکان کی دوسری منزل پر سویا ہوا تھا اور اسی کمرہ میں میرے ساتھ پندرہ سولہ اور آدمی بھی تھے۔ رات کے وقت شہتیر میں ٹک ٹک کی آواز آئی۔ میں نے آدمیوں کو جگایا کہ شہتیر خوفناک معلوم ہوتا ہے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ انہوں نے کہا کوئی چوہا ہو گا۔ کچھ خوف کی بات نہیں اور یہ کہہ کر پھر سو گئے تھوڑی دیر کے بعد پھر ویسی ہی آواز سنی۔ تب میں نے ان کو دوبارہ جگایا۔ مگر پھر بھی انہوں نے کچھ پرواہ نہ کی۔ پھر تیسری بار شہتیر سے آواز آئی۔ تب میں نے ان کو سختی سے اٹھایا۔ اور سب کو مکان سے باہر نکالا اور جب سب نکل گئے تو خود بھی وہاں سے نکلا ابھی میں دوسرے زینہ پر تھا کہ وہ چھت نیچے گری اور دوسری میت کو بھی ساتھ لے کر نیچے جا پڑی اور چارپائیاں ریزہ ریزہ ہو گئیں اور ہم سب بچ گئے۔۔۔۔ ایسا ہی ایک دفعہ ایک بچھو میرے بستر کے اندر لحاف کے ساتھ مرا ہوا پایا گیا اور دوسری دفعہ ایک بچھو لحاف کے اندر چلتا ہوا پکڑا گیا۔ مگر ہر دو بار اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے ضرر سے محفوظ رکھا۔ ایک دفعہ میرے دامن کو آگ لگ گئی تھی مجھے خبر بھی نہ ہوئی ایک اور شخص نے دیکھا اور بتلایا اور اس آگ کو بجھا دیا۔ خدا تعالیٰ کے پاس کسی کے بچانے کی ایک راہ نہیں بلکہ بہت راہیں ہیں۔ آگ کی گرمی اور سوزش کے واسطے بھی کئی ایک اسباب ہیں اور بعض اسباب مخفی در مخفی ہیں جن کی لوگوں کو خبر نہیں اور خدا تعالیٰ نے وہ اسباب اب تک دنیا پر ظاہر نہیں کئے۔ جن سے اس کی سوزش کی تاثیر جاتی رہے۔ پس اس میں کون سے تعجب کی بات ہے کہ حضرت ابراہیمؑ پر آگ ٹھنڈی ہو گئی۔"

(تفسیر کبیر۔ جدید ایڈیشن۔ جلد 10 صفحہ 378، 379)

آج کل کے دور میں جہاں دنیا کی کھال ادھیڑ کر رکھ دی گئی۔ ظاہر پرست معجزات پر اعتراض کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ہر روز نت نئی تحقیقات گزشتہ علوم کو جہالت دکھلاتی جا رہی ہیں۔ اسلام تو معجزات کے ذریعہ زندہ خدا دکھانے آیا تھا مگر افسوس جدید Trends کے پیچھے پڑ کر مسلمان اپنا طور طریق ہی چھوڑ بیٹھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"افسوس ہے ان لوگوں نے اسلام کو بدنام کیا ہے۔ جس بات کو سمجھتے نہیں اس میں یورپ کے

فلاسفروں کی چند بے معنی کتابیں پڑھ کر دخل دیتے ہیں۔ معجزات اور مکالمات الہیہ ہی ایسی چیزیں ہیں جن کا مردہ ملتوں میں نام و نشان نہیں ہے۔ اور معجزہ تو اسلام کی پہلی اینٹ ہے اور غیب پر ایمان لانا سب سے اول ضروری ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس قسم کے خیالات دہریت کا نتیجہ ہیں جو خطرناک طور پر پھیلتی جاتی ہے۔ سید احمد نے وحی کی حقیقت خود بھی نہیں سمجھی۔ دل سے پھوٹنے والی وحی شاعروں کی مضمون آفرینی سے بڑھ کر کچھ وقعت نہیں رکھتی۔ افسوس ہے کہ مولوی صاحب نے روپیہ صرف کیا اور کوشش کی مگر نتیجہ یہ نکلا۔ مولوی صاحب اس کو ضرور خط لکھ دیں اور اسے بتائیں کہ معجزات اور مکالمات اور پیشگوئیاں ہی ہیں جنہوں نے اسلام کو زندہ مذہب قرار دیا ہے۔"(ملفوظات جلد 2 صفحہ 345، 346)

ایسے ہی بعض اوقات معجزات کی حقیقت نہ سمجھنے کے باعث نادان لوگ تو خدا کے وجود سے ہی منکر ہو بیٹھے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ جو ظاہر ہے وہی سب کچھ ہے۔ حالانکہ انکو معلوم نہیں کہ انسان کی بیک وقت کئی جہات ہوا کرتی ہیں۔ ایسے میں صاحب معجزہ ایک سے زائد جہت پر اطلاع پاتا اور اسکا علم رکھتا ہے جب کہ بادی النظر میں معترض فریق مادی آنکھ پر بھروسہ کر بیٹھتا ہے اور معجزہ سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔

معجزات اگرچہ کئی جہات پر مشتمل ہوتے ہیں مگر ان پر بھی خدائے قدیر نے حد بندی لگائی ہے۔ گویا انکا ظہور فرد کے لحاظ سے اور نوع کے لحاظ سے ہر یک کی استعداد کے مطابق مختلف ہوا کرتا ہے۔ مگر اسکے باوجود خدا تعالیٰ قانون قدرت کے ہرگز مخالف نہیں کرتا۔ خاص ان صورتوں میں جن کا مشاہدہ سنت الٰہیہ دائمہ کے طور پر موجود ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس دقیق مضمون کو حل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"تدابیر مشہودہ سے الگ ہو کر جو فعل ہوتا ہے اس میں اعجازی رنگ ہوتا ہے۔ معجزات جن باتوں میں صادر ہوتے ہیں ان میں سے بہت سے افعال ایسے ہوتے ہیں کہ دوسرے لوگ بھی ان میں شریک ہوتے ہیں مگر نبی ان تدابیر اور اسباب سے الگ ہو کر وہی فعل کرتا ہے اس لئے وہ معجزہ ہوتا ہے اور یہی بات یہاں سلیمان کے قصہ میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کیا لوگ قصائد نہ کہتے تھے؟ کہتے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کلام فصیح و بلیغ پیش کیا تو وہ جوڑ توڑ کا نتیجہ نہ تھا بلکہ وحی سے تھا۔ اس لئے معجزہ تھا کہ درمیان اسباب عادیہ نہ تھے۔ آپ نے کوئی تعلیم نہ پائی تھی اور بدوں کوشش کے وہ کلام آپ نے پیش کیا۔ غرض اسی طرح پر لوہا نرم کرنے کا معجزہ ہے کہ اس میں اسباب عادیہ نہ تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے اور معنی بھی ہوں۔ مشکلات صعب سے بھی مراد لوہا ہوتا ہے۔ وہ حضرت سلیمان پر آسان ہو گئیں۔ مگر اصل اعجاز کا کسی حال میں ہم انکار نہیں کرتے ورنہ اگر خدا تعالیٰ کی ان قدرتوں پر ایمان نہ ہو تو پھر خدا کو کیا مانا؟

ہم اس کو خارقِ عادت نہیں مان سکتے جو قرآن شریف کے بیان کردہ قانونِ قدرت کے خلاف ہو۔ مثلاً ہم احیاء موتیٰ حقیقی کا کیوں انکار کرتے ہیں؟ اس لئے کہ قرآن شریف نے یہ فیصلہ کر دیا ہے فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَى عَلَيْهَا الْمَوْتَ (الزمر: 43) اسی طرح ہم نہیں مان سکتے کہ خدا اپنے جیسا کوئی اور خدا بھی بنا لیتا ہے کیونکہ یہ اس کی توحید کے خلاف ہے یا یہ کہ وہ خودکشی نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی صفت حیّ و قیوم کے خلاف ہے اسی طرح اگر کوئی کہے کہ دنیا ہمیشہ رہے گی اور یہاں ہی دوزخ بہشت ہو گا ہم نہیں مان سکتے۔ اس کی صفت مٰلِكِ يَوْمِ الدِّينِ (الفاتحہ: 4) کے خلاف ہے اور اس کے خلاف جا ٹھہرتا ہے فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ (الشوریٰ:8) ایسا ہی ہم نہیں مان سکتے کہ کوئی اس جسم کے ساتھ آسمان پر بھی چڑھ سکتا ہے کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار نے کہا کہ تو آسمان پر چڑھ جا آپ نے یہی فرمایا سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا (بنی اسرائیل:94) ایسا ہی مردے اگر واپس آسکتے تو چاہیے تھا کہ قرآن شریف ان کے لئے کوئی خاص قانونِ وراثت بیان کرتا اور فقہ میں کوئی باب اس کے متعلق بھی ہوتا۔ غرض جو اُمور قرآن شریف کے بیان کردہ قانون کے خلاف ہیں ہم ان کو تسلیم نہیں کر سکتے۔" (ملفوظات جلد 3 صفحہ 306، 307)

اسی طرح فرمایا:

"غرض معجزات وہی ہوتے ہیں جس کی نظیر لانے پر دوسرے عاجز ہوں۔ انسان کا یہ کام معجزہ نہیں کہ وہ ان کی حد بند کرے کہ ایسا ہونا چاہیے یا ویسا ہونا چاہیے۔ اس میں ضرور ہے کہ بعض پہلو اخفا کے ہوں کیونکہ نشانات کے ظاہر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ایمان بڑھے اور اس میں ایک عرفانی رنگ پیدا ہو جس میں ذوق ملا ہوا ہو لیکن جب ایسی کھلی باتیں ہوں گی تو اس میں ایمانی رنگ ہی نہیں آسکتا چہ جائیکہ عرفانی اور ذوقی رنگ ہو۔ پس اقتراحی نشانات سے اس لیے منع کیا جاتا ہے اور روکا جاتا ہے کہ اس میں پہلی رگ سوءادبی کی پیدا ہو جاتی ہے جو ایمان کی جڑ کاٹ ڈالتی ہے۔" (ملفوظات جلد 4 صفحہ 349، 350)

اس تمام مضمون سے یہ عقدہ حل پاتا ہے کہ اسلام ایک زندہ خدا کو پیش فرماتا ہے جس کا تصور محض خیال و خواب کے طور پر نہیں ہے بلکہ ایک اٹل حقیقت ہے جو مع تمام لزوم کے کسی بھی پیمانے پر پورا اترتا ہے۔ چنانچہ اسی زندگی کا نمونہ ہمیں ان معجزات میں نظر آتا ہے کہ جب خلائق خدا کے افعال اور کمالات کی شاہد ہوئیں اور ان پر حقیقت حقّہ باری تعالیٰ کھل کر واضح ہو گئی۔ ایسے میں جو ان مظاہر قدرت قبول کرنے والے ہوئے وہ مقبول ہو گئے جبکہ معترض اور منکر طبائع چشمہ فیض سے فیضیاب ہونے سے محروم رہ گئیں اور اس سعادتِ ازلی کی محرومی انکو اندھیر نگریوں میں بھٹکتا چھوڑ گئی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تمام مضمون کا احاطہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اس جگہ اس بات کا جواب دینا بھی مناسب ہے کہ اگر سب امور قوانین ازلیہ وابدیہ میں داخل ہیں یعنے پہلے ہی سے بندھے ہوئے چلے آتے ہیں تو پھر معجزات کیا شئے ہیں۔ سو جاننا چاہیے کہ بیشک یہ تو سچ ہے کہ قوانین ازلیہ وابدیہ سے یا یوں کہو کہ خدائے تعالیٰ کے ازلی ارادہ اور اس کے قضاء وقدر سے کوئی چیز باہر نہیں گو ہم اس پر اطلاع پاویں یا نہ پاویں جَفَّ الْقَلَمُ بِمَاھُوَ کَائِنٌ مگر اس عادت الٰہیہ نے جو دوسرے لفظوں میں قانون قدرت سے موسوم ہو سکتی ہے بعض چیزوں کے ظہور کو بعض کیساتھ مشروط کر رکھا ہے۔ پس جو امور ازلی ابدی ارادہ نے مقدسوں کی دعاؤں اور ان کی برکات انفاس اور ان کی توجہ اور اُنکی عقد ہمت اور ان کے اقبال ایام سے وابستہ کر رکھے ہیں اور ان کے تضرعات اور ابتہالات پر مترتب کی جاتی ہیں وہ امور جب انہیں شرائط اور انہیں وسائل سے ظہور میں آتے ہیں تب ان امور کو اس خاص حالت میں معجزہ یا کرامت یا نشان یا خارق عادت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور اس جگہ خارق عادت کے لفظ سے اس شبہ میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ وہ کونسا امر ہے جو عادتِ الٰہیہ سے باہر ہے کیونکہ اس محل میں خارق عادت کے قول سے ایک مفہوم اضافی مراد ہے یعنی یوں تو عادات ازلیہ وابدیہ خدائے کریم جلشانہ سے کوئی چیز باہر نہیں مگر اس کی عادات جو بنی آدم سے تعلق رکھتی ہیں دو طور کی ہیں۔ ایک عادات عامہ جو روپوش اسباب ہو کر سب پر مؤثر ہوتی ہیں۔ دوسری عادات خاصہ جو بتوسط اسباب اور بلاتوسط اسباب خاص ان لوگوں سے تعلق رکھتی ہیں جو اس کی محبت اور رضا میں کھوئی جاتی ہیں۔ یعنی جب انسان بکلی خدائے تعالیٰ کی طرف انقطاع کر کے اپنی عادات بشریہ کو استرضاء حق کے لئے تبدیل کر دیتا ہے تو خدائے تعالیٰ اُس کی اس حالت مبدلہ کے موافق اس کے ساتھ ایک خاص معاملہ کرتا ہے جو دوسروں سے نہیں کرتا۔ یہ خاص معاملہ نسبتی طور پر گویا خارق عادت ہے جس کی حقیقت انہی پر کھلتی ہے جو عنایات الٰہی سے اس طرف کھینچے جاتے ہیں۔ جب انسان اپنی بشری عادتوں کو جو اس میں اور اس کے رب میں حائل ہیں شوق توصل الٰہی میں توڑتا ہے تو خدائے تعالیٰ بھی اپنی عام عادتوں کو اس کے لئے توڑ دیتا ہے۔ یہ توڑنا بھی عادات ازلیہ میں سے ہے کوئی امر مستحدث نہیں ہے جو مورد اعتراض ہو سکے۔ گویا قدیم قانون حضرت احدیت جلشانہ اسی طور پر چلا آتا ہے کہ جیسے جیسے انسان کا بھروسہ خدائے تعالیٰ پر بڑھتا ہے ایسا ہی اس طرف سے الوہیت کی قدرتوں کی چمکار اور اس کی کرنیں زیادہ زیادہ اس پر پڑتی ہیں اور جیسے جیسے اس طرف سے ایک پاک اور کامل تعلق ہوتا جاتا ہے ایسا ہی اس طرف سے بھی کامل اور طیب برکتیں ظاہر و باطن پر اترتی ہیں۔ اور جیسی جیسی محبت الٰہی کی موجیں عاشق صادق کے دل سے اٹھتی ہیں ایسا ہی اس طرف سے بھی ایک نہایت صاف

اور شفاف دریائے محبت کا زور شور سے چھوٹتا ہے اور دائرہ کی طرح اس کو اپنے اندر گھیر لیتا ہے اور اپنے الٰہی زور سے کھینچ کر کہیں کا کہیں پہنچا دیتا ہے اور جیسا یہ امر صاف صاف ہے ویسا ہی ہمارے نیچر کے مطابق بھی ہے۔ ہم تم بھی جیسے جیسے دوستی اور محبت اور اخلاص میں بڑھتے ہیں تو اس دو طرفہ صفائی محبت کی یہی نشانی ہوا کرتی ہے کہ دونوں طرف سے آثار خلوص و اتحاد و یگانگت کے ظاہر ہوں نہ صرف ایک طرف سے ہو۔ ہر یک دوست اپنے دوست کے ساتھ عوام الناس کی نسبت معاملہ خارق عادت رکھتا ہے۔ جب انسان اپنی پہلی زندگی کی نسبت ایک ایسی نئی زندگی حاصل کرتا ہے جس کو نسبتی طور پر خارق عادت کہہ سکتے ہیں تو اسی دم سے وہی قدیم خدا اپنی تجلیات نادرہ کے رُو سے ایک نیا خدا اس کے لئے ہو جاتا ہے۔ اور وہ عادتیں اس کے ساتھ ظہور میں لاتا ہے جو پہلی زندگی کی حالت میں کبھی خیال میں بھی نہیں آئی تھیں۔ خوارق کی کل جس سے عجائبات قدرتیہ حرکت میں آتی ہیں انسان کی تبدیل یافتہ روح ہے اور وہ سچی تبدیلی یہاں تک آثار نمایاں دکھاتی ہے کہ بعض اوقات ایک ایسے طور سے شور محبت دل پر استیلاء پکڑتا ہے اور عشق الٰہی کے پر زور جذبات اور صدق اور یقین کی سخت کششیں ایسے مقام پر انسان کو پہنچا دیتی ہیں کہ اس عجیب حالت میں اگر وہ آگ میں ڈالا جائے تو آگ اس پر کچھ اثر نہیں کر سکتی۔ اگر وہ شیروں اور بھیڑیوں اور ریچھوں کے آگے پھینک دیا جائے تو وہ اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ کیونکہ اس وقت وہ صدق اور عشق کے کامل اور قوی تجلیات سے بشریت کے خواص کو پھاڑ کر کچھ اور ہو جاتا ہے۔ اور جس طرح لوہے کے ظاہر و باطن پر آگ مستولی ہو کر اس کو اپنے رنگ میں لے آتی ہے اسی طرح یہ بھی آتش محبت الٰہی کے ایک سخت استیلاء سے کچھ کچھ اس طاقتِ عظمیٰ کے خواص ظاہر کرنے لگتا ہے جو اس پر محیط ہو گئی ہے۔ سو یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ عبودیت پر ربوبیت کا کامل اثر پڑنے سے اس سے ایسے خوارق ظاہر ہوں بلکہ تعجب تو یہ ہے کہ ایسے اثر کے بعد بھی عبودیت کی معمولی حالت میں کچھ فرق پیدا نہ ہو کیونکہ اگر لوہا آگ میں تپانے سے کسی قدر خاصہ آگ کا ظاہر کرنے لگے تو یہ امر سراسر مطابق قانون قدرت ہے لیکن اگر سخت تپانے کے بعد بھی اسی پہلی حالت پر رہے اور کوئی خاصیت جدید اس میں پیدا نہ ہو تو یہ عند العقل صریح باطل ہے۔ سو فلاسفی تجارب بھی ان خوارق کے ضروری ہونے پر شہادت دے رہے ہیں۔ یہ افسانہ نہیں اس پر عارفانہ روح لے کر غور کرو۔"

(سرمہ چشم آریہ، روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 105 تا 107)

ہمارے پیارے امام سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس بیان فرماتے ہیں:

”تمام انبیاء دنیا میں توحید کے قیام کے لیے آئے اور انہوں نے اپنی قوموں کو اس کی تعلیم دی لیکن بدقسمتی سے اکثریت نے اس توحید کو چھوڑ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی پیغام کو لے کے آئے، اسی کام کو جاری رکھنے کے لیے آئے اور اسی توحید کی روح کو ہی اپنے ماننے والوں میں پیدا کرنے کے لیے آئے اور اس بارے میں جو مقام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے وہ کسی اَور کا نہیں۔

آپؐ نے توحید کو ماننے کی اگر تلقین کی تو اللہ تعالیٰ سے علم پا کر توحید کو قبول کرنے کے دلائل دیے۔ آپؐ نے شرک کے خلاف اگر جہاد کیا تو بغیر دلیل کے نہیں بلکہ شرک کی برائی سمجھائی اور اس کو سمجھا کر اس کے خلاف نفرت پیدا کی اور آپؐ کے ماننے والوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ توحید کی تعلیم اور شرک سے نفرت ان کے رگ و ریشہ میں بس گئی ہے۔

یہ اس لیے کہ جو تعلیم اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر اتاری وہ اس قدر جامع اور پُر اثر تھی کہ اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ کوئی اس کی گہرائی تو سمجھ لے اور پھر اس سے دور ہو سکے۔

آپؐ کی یہ تعلیم جس نے آپؐ کے ماننے والوں پر اثر کیا اس لیے پُر اثر تھی کہ خود آپؐ کا ہر قول و فعل اس کی حقیقی تصویر تھا اور اس بارے میں جو عظیم تعلیم اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو دی اس کا آپؐ عملی نمونہ تھے۔

آپؐ کو فکر تھی تو اس کی کہ جس طرح دوسری قوموں نے اپنے انبیاء کو سجدے کی جگہ بنا لیا ہے مسلم اُمّہ میں بھی یہ خوفناک گناہ پیدا نہ ہو جائے اور آپؐ نے اس سے پناہ مانگی کہ آپؐ کو خدا تعالیٰ کے مقابلے پر کبھی لایا جائے اور اس کی آپؐ نے اُمّت کو نصیحت بھی فرمائی کہ مجھے کبھی شرک کا ذریعہ نہ بنانا۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 3 صفحہ 54، مسند ابی ہریرۃ حدیث 7352، عالم الکتب بیروت 1998ء)

تمہاری نظر کبھی خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی اَور پر نہ پڑے۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 27/ فروری 2026ء)(روزنامہ الفضل انٹرنیشنل 20 مارچ 2026ء صفحہ 3)

Monthly

MUWĀZNA-E-MADHĀHIB

ISSN: 20491131

Editor: Mahfooz ur Rehman

NOVEMBER 2026 | NUBUWWAT 1405(HS)| JUMĀDĀ AL-ŪLĀ/ JUMADA AL-THANI 1448(HQ)| VOL.15 NO.11

Publishers: Additional Wakalat Tasneef
Unit 3, Bourne Mill Business Park,
Guildford Road, Farnham, GU9 9PS, UK
Email: office@tasneef.co.uk

https://www.alislam.org/periodical/muwazna-e-madhahib